تذکرۂ فقیر
استاذ العلماء حضرت مولانا محمد فقیر اللہ رحمۃ اللہ علیہ
شخصیت و خدمات اور اوصاف و کمالات
محمود خارانی

تذکرۂ فقیر

اُستاذُ العلماء حضرت مولانا محمد فقیرُ اللہ رحمۃ اللہ علیہ

1932ء - 2024ء

شخصیّت و خدمات اور اوصاف و کمالات

محمود خارانی

فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

سابق استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم خاران

نام کتاب	::	تذکرۂ فقیر (حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ)
مؤلف	::	محمود خارانی
صفحات	::	56
قیمت	::	150
اشاعت اول	::	جنوری 2025ء
تعداد	::	500
زیر اہتمام	::	صاحبزادہ مولانا حافظ حماد اللہ (مدیر مدرسہ)

ملنے کا پتہ

مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن، مرکزی جامع مسجد خاران، بلوچستان، پاکستان

مولانا ابوانس ولی اللہ الحسنی **0333-3127090**

الفلاح کتب خانہ

کالج روڈ، خاران، بلوچستان، پاکستان

0333-0240801

فہرس

اوصاف وکمالات 28

تلامذہ کے جذبات........ 35

موت کی فکر و تیاری اور علماءِ کرام سے استفادہ 41

کلماتِ تقریظ

حضرت مولانا مفتی عباد الرحمٰن صاحب

شیخ الحدیث ورئیسِ دار الافتاء والتحکیم

مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن مرکزی جامع مسجد خاران

استاذی و استاذ العلماء حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کا سانحۂ ارتحال ایک ایسا خلا ہے کہ جو شاید ہی کبھی پُر ہو۔ حضرتؒ سے میں نے ارشاد الصرف مکمل اور نحو میر کا کچھ حصہ پڑھا تھا۔ 1998ء سے 2001ء تک بطور طالب علم ان کی صحبت میں رہا اور 2013ء کے آخر میں ان کے ادارہ سے بطور استاد وابستہ ہوا۔ ساتھ ہی 2014ء سے ان کی جگہ بطور خطیب مسجد میں ذمہ داریاں بھی نبھائیں اور تادم واپسی ان کے سایہ میں رہا۔

آپ کی حیات طیبہ اخلاص وللّٰہیت، عشقِ مصطفیٰ ﷺ، ذوقِ ذکر و تلاوت، تقویٰ وطہارت، سادگی و بے نفسی، عجز وانکساری اور خدا طلبی جیسے اوصاف جلیلہ سے عبارت تھی۔ آپؒ کا مشغلہ نہایت خاموشی اور یکسوئی کے ساتھ دین متین کی خدمت کرنا تھا۔ نام و نمود اور تشہیر و نمائش کے مروّجہ طور طریقوں سے کوسوں دور، مسجد و مدرسہ کے روحانی ماحول میں بیٹھ کر خلقِ خدا کی فیض رسانی کا مرکز بنے ہوئے تھے۔

ان کے اخلاق کریمانہ کا روز مشاہدہ ہوتا تھا، مگر میرے لیے حیرت کی ایک بات یہ تھی کہ اس طویل عرصے میں ان کی زبان سے نہ بددعا کے الفاظ سنے، نہ انہیں کبھی غصے میں دیکھا۔ زندگی کے آخری دو سالوں میں عام گفتگو کی بجائے ان کی زبان مبارک پر صرف نیک دعائیں جاری رہتی تھیں۔

اس موقع پر صرف اتنا عرض یہ ہے کہ وہ سلف کی ایک نشانی تھے اور اسلاف کی ایسی نشانیاں اس قابل ہیں کہ ان کے حالات زندگی کو قلم بند کرکے نسل نو کے لیے ہمیشہ کے لیے محفوظ کیا جائے۔

ہمارے برادر مکرم مولانا محمود خارانی صاحب کو ہم نے ایک باذوق صاحب قلم پایا ہے۔ شروع سے انہیں اکابر کے اوصاف واحوال جاننے اور ضبط تحریر میں لانے کا شغف رہا ہے۔

انہوں نے بہت سے اکابر کے انٹرویوز کیے۔ مجھے بھی ایک دفعہ کہا تھا کہ حضرتؒ سے ان کی زندگی کے بارے میں مفصل انٹرویو لے لیں۔ ان کا یہ ذوق قابل صد تبریک ہے کہ اس کے ذریعے نسل نو اپنے اکابرین کے نقوشِ سیرت اور اسوۂ مبارکہ سے واقف ہوگی اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا ان کو ایک وسیلہ اور ذریعہ ملے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی کامل مغفرت فرمائیں اور رسالہ ھٰذا کو ہم سب کے لیے مفید اور باعث اجر بنادے۔ آمین!

عباد الرحمٰن

خادم دار الحدیث والافتاء

مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن

مرکزی جامع مسجد خاران

25 دسمبر 2024ء

حرفِ سوانح نگاری

تاریخ نویسی اور سوانح نگاری کی دنیا میں علامہ سخاویؒ (وفات 902ھ) کا یہ قول مشہور ہے کہ مَن أَرَّخَ مُؤْمِنا فَکأَنّما أَحیاہُ ترجمہ: جس نے کسی مسلمان کے حالات زندگی اور تاریخ مرتب کی، تو گویا اس نے اسے زندہ رکھا۔

اس تجزیے کی معنویت کو ذرا اس تاریخی المیے کے تناظر میں دیکھ لیں کہ ہمارا بلوچ خطہ، جس کی مذہب پسندی ایک تاریخی حقیقت ہے، لیکن اس کا المیہ یہ ہے کہ دین اسلام سے گہرا اور طویل رشتہ رکھنے کے باوجود اس قوم اور خطے کی دینی تاریخ میں ایک بہت بڑا خلا پایا جاتا ہے۔ اسلام کو چودہ صدیاں گزر گئیں، مگر تاریخ اسلام کی ضخیم کتابوں میں اس خطے کی دینی شخصیات اور خدمات کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ یہ تو نہیں ہو سکتا کہ یہ سرزمین دینی خدمات کے حوالے سے بانجھ رہی ہو۔ ہر دور میں ضرور ان علاقوں میں ایسے مردانِ خدا وجود میں آتے رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے اپنے انداز میں دین متین کی عالمانہ اور داعیانہ خدمت کی ہوگی، مگر ان کے احوال وآثار تاریخ کے اوراق میں محفوظ نہیں۔

اب آخری دَور میں کچھ کوششیں جدید اہلِ علم کی طرف سے سامنے آ رہی ہیں۔ مثلاً: ڈاکٹر عبدالرحمٰن بروہی کی کتاب ”بلوچستان کا دینی ادب“ ایک بہت بڑا علمی و تاریخی ذخیرہ ہے، جس میں بلوچستان میں لکھی گئی ماضی قریب کی دینی تالیفات کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ہری پور یونیورسٹی میں ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر محمد نعیم نے 2021ء کو ”صوبہ بلوچستان کے علماء کی فقہ حنفی میں علمی خدمات“ کے عنوان سے پی ایچ ڈی کا ایک مبسوط مقالہ لکھا، جس میں میں نے بھی کچھ حصہ ڈالا۔ پروفیسر غلام دستگیر نے علماءِ بلوچستان پر ایک متوسط کتاب لکھی ہے۔ عبدالغنی شہزاد نے تاریخ علماءِ بلوچستان کی ایک جلد مرتب کی ہے، مکران کے چند اہلِ علم پر برادرم یلان بلوچ زمرانی نے بھی بلوچی

زبان میں کچھ مواد جمع کیا ہے۔ مستونگ قلات میں عمر غزنوی نے بھی بلوچ فضلاءِ دارالعلوم دیوبند کے نام سے کام شروع کیا ہے۔ یہ تمام ترکاوشیں خوش آئند اور لائق صد تحسین ہیں۔

حُسنِ اتفاق کہیے یا توفیقِ ایزدی کہ شروع سے جو موضوعات میری تحریر و مطالعہ کا محور رہے ہیں، ان میں "سوانح اکابر" کے عنوان کو بھی خصوصی حیثیت حاصل رہی ہے۔ چنانچہ بندہ نے اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے 2015ء میں حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ کی وفات پر "آخری علمی مجلس" نامی رسالہ لکھا اور 2018ء کو اپنے استاد محترم حضرت مولانا محمد یوسف کبدانیؒ کے سانحۂ ارتحال پر "فراقِ یوسف" لکھا اور اب حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ بروز بدھ 30 اکتوبر 2024ء کو ترانوے (93) سال کی عمر میں ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے، تو ان کے حالات زندگی پر زیر مطالعہ رسالہ "تذکرۂ فقیر" قلم بند کر دیا اور اسی تسلسل میں تذکرۂ علماءِ رخشان کے نام سے ایک چھوٹا سا منصوبہ زیر تکمیل ہے۔

واضح رہے کہ اس خطے کی دینی آبیاری اور سلف صالحین کے مطابق قرآن و سنت کی تعبیر و تشریح اور ترویج و اشاعت میں جن ارباب دعوت و عزیمت نے کردار ادا کیا، وہ بہت سے اصحاب علم و فضل ہیں۔ سب کی محنت قابل ستائش ہے۔ خدانخواستہ کسی کی مساعی کو نظر انداز کرنا مقصود ہے، نہ اس کی قدر و اہمیت کا انکار کیا جاسکتا ہے، لیکن میری ناقص رائے اور فلسفۂ تاریخ کے ادنی ترین فہم و شعور کے مطابق ان علماء میں سے جن سات دینی شخصیات نے ہمارے خطے کے مذہبی خدوخال کو توحید و سنت کے مبارک خطوط پر استوار کرانے میں اساسی، کلیدی اور ہمہ جہت کردار ادا کیا، ان جلیل القدر ہستیوں کے مجموعے کو میں اصحابِ سبعہ سے تعبیر کیا کرتا ہوں۔ یعنی: حضرت مولانا محمد عظیم صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرزاق صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ، حضرت مولانا محمد یوسف صاحبؒ، حضرت مولانا عطاء اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی عبدالغفار دامت برکاتہم۔

ان میں سے ہر ایک نے اپنے ذوق و استعداد کے مطابق دینی جدوجہد کا ایک مخصوص یا متنوع میدان چن لیا اور نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ یہ حضرات بجاطور پر اس خطے کی جدید دینی تاریخ

کے ماتھے کا جھومر ہیں، مگر افسوس ہے کہ باوجود تمام تر کوشش کے فاضل دارالعلوم دیو بند مولانا عبد الرزاقؒ اور اولین داعیٔ قرآن مولانا محمد عظیمؒ کی شخصیت اور دینی خدمات کے بارے میں مفصل معلومات تک رسائی ابھی تک نہیں مل سکی ہے۔ اکابر کے احوال نہ لکھنے کا تاریخ میں یہی نقصان بھگتنا پڑتا ہے کہ ہم نے ان حضرات کا صرف نام سنا ہے کہ بڑی ہستی تھے، مگر ان کی دینی و علمی خدمات کی تفصیلات کیا ہیں؟ ان کی جدوجہد کے حدودِ اربعہ کیا تھے؟ ان کے مزاج و مذاق کے وہ رہنما اصول کیا تھے، جن سے ہم رہنمائی لے سکیں؟ اس حوالے سے ہم یکسر نابلد بلکہ محروم ہیں۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اب چونکہ یہ خطہ بھی تاریخ کے اس موڑ پر کھڑا ہے، جہاں سے قیام پاکستان کے بعد اس خطے کی جغرافیائی اور سیاسی ہیئت و حیثیت کا ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے؛ لہٰذا تاریخ نویسی کے نقطۂ نظر سے بھی یہ بہترین موقع ہے کہ کم از کم رخشان کی جدید دینی تاریخ کا آغاز ابھی سے کیا جائے اور نہایت جزء رسی، ژرف نگاہی اور وسعت و عمق کے ساتھ یہ کام ہو؛ تاکہ آئندہ صدیوں کے لیے تاریخی تسلسل کی ایک بنیاد قائم ہو جائے۔

ان تمام حضرات کے سوانح کی اہمیت اس وجہ سے بھی دوچند ہو جاتی ہے کہ انہوں نے اس خطے کے ابتدائی تہذیبی تغیرات اور تمدنی انقلابات کا براہِ راست مشاہدہ بھی کیا تھا اور بلوچ خطے کو شرک و بدعات سے توحید و سنت کی طرف منتقل کرانے کی کوشش میں خود کلیدی اور اولین کردار ادا کر چکے ہیں، تو اس زاویۂ نگاہ سے امید ہے کہ ان حضرات کے سوانح حیات جہاں اس تاریخی خلا کو پُر کرنے میں ایک بنیادی اینٹ کا کام دیں گے، تو ساتھ ہی نسل نو کی علمی و دینی تربیت کے لیے بھی ایک تاریخی اور دستاویزی ذخیرہ کی حیثیت رکھیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

آخر میں حضرتؒ کے فاضل نواسے مولانا ابوانس ولی اللہ الحسنی صاحب کا شکریہ کہ انہی کی فراہم کردہ معلومات کے نتیجے میں یہ رسالہ "تذکرۂ فقیر" وجود میں آیا۔ انہوں نے یہ تذکیری امانت مستقبل کی نسلوں تک پہنچانے میں قابل تقلید کردار ادا کر کے خلف الرشید ہونے کا ثبوت دیا۔

مولانا حماد اللہ صاحب نے رسالے کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی لی۔ اپنے اباجان کی علمی خدمات کو ہمیشہ کے لیے تاریخ میں محفوظ کروا کر صاحبزادگی کے اصل مفہوم، کردار اور ذمہ داری کی

نوعیت سے نسلِ نو کو آشنا کر دیا۔

اللہ تعالیٰ اس تحریری کاوش کو مقبول عام اور نافع خلائق بنا دے۔ آمین!

✍

محمود خارانی

بی آر سی، اوتھل، لسبیلہ

19 جمادی الثانیہ 1446ھ/20 دسمبر 2024ء

بروز جمعۃ المبارک

داستانِ حیات

کسی بھی شخصیت کے علمی مقام و مرتبہ اور خدمات کی اہمیت و منزلت جاننے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے دور کے سیاسی، مذہبی اور فکری احوال سے واقفیت حاصل ہو۔ پھر کہیں جاکر معلوم ہو سکتا ہے کہ ان کی شخصیت کس ماحول میں پروان چڑھی ہے اور ان کے افکار و خدمات کی اس سیاسی اور مذہبی ماحول میں کیا اہمیت اور معنویت تھی۔ چنانچہ اسی تناظر میں حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کی شخصیت کے تعارف سے پہلے ان کے دور کے سیاسی اور مذہبی ماحول پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

عہدِ فقیر میں عالم اسلام اور ملک کی سیاسی صورت حال

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کا دورِ حیات 1932ء سے 2024ء تک محیط ہے۔ یہ وہ دور ہے، جس میں دنیا بھر میں کئی انقلابات رونما ہوئے۔ عالم اسلام کے بیشتر خطے فرنگی استعمار کی غلامی میں جکڑے ہوئے تھے۔ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک، مصر سے لے کر ہندوپاک تک ہر جگہ عالمِ کفر کے جبر و استبداد کا راج تھا، جن کے خلاف مختلف شکلوں میں آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں۔ پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش پر برطانوی استعمار قائم تھا، جس کے خلاف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ نے 1857ء کی جنگ آزادی لڑی تھی۔ بعد میں شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی قیادت میں تحریک ریشمی رومال وغیرہ تحریکیں چلیں۔ بالآخر بہت سے دیوبندی اکابر علماء جیسے: حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ وغیرہ کی حمایت و تائید سے قائد اعظم محمد علی جناح کی قیادت میں پُرامن سیاسی جدوجہد کے ذریعے 14 اگست 1947ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اس دور میں حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ 16، 17 سال کی عمر کے ایک نوجوان تھے۔

چنانچہ مولانا محمد فقیر اللہؒ نے قائد اعظم اور پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان سے لے کر شہباز

شریف کی 2024ء کی موجودہ حکومت تک کے تمام ادوار دیکھے تھے۔ حکومتوں کے اس 75 سالہ عرصے میں بہت سے مارشل لاء اور جمہوری حکومتیں یکے بعد دیگرے آتی رہیں۔ جنرل ایوب خان کی آمریت بھی آپ نے دیکھی، جس میں آپ کے استاد محترم شیخ غلام اللہ خانؒ گرجتے برستے تھے۔

16 دسمبر 1971ء میں بنگلہ دیش کا سقوط ہوا۔ ذوالفقار علی بھٹو کا دور حکومت، پھانسی (5 جولائی 1977ء) جنرل ضیاء الحق کی گیارہ سالہ آمریت دیکھی۔ اسی دوران افغانستان میں روسی یلغار ہوئی۔ طویل جدوجہد کے بعد جب روس شکست کھا کر چلا گیا، تو افغانستان میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ 90ء کی دہائی میں طالبان کی پہلی حکومت برسرِاقتدار آئی، جسے نائن الیون کے بعد امریکہ نے افغانستان پر حملہ کر کے ختم کر دیا۔ 2001ء سے 2019ء تک افغانستان میں آگ و خون کا کھیل کھیلا گیا اور حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ ایک دردمند دل کے ساتھ اس بارے میں آزردہ خاطر تھے۔ بالآخر افغان طالبان کو 2019ء کو دوسری بار اقتدار سنبھالنے کا موقع ملا، جو ابھی تک کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے اور حضرتؒ کو اپنی زندگی میں یہ خوشی اور مسرت دیکھنی نصیب ہوئی۔

جنرل ضیاء الحق کی آمریت کے بعد ایک عرصے تک بے نظیر بھٹو (1988 تا 90 اور 1993 تا 96) اور نواز شریف (1990 تا 93 اور 1997 تا 99) کی یکے بعد دیگرے حکومتیں بنتی ٹوٹتی رہیں۔ پھر جنرل پرویز مشرف کا سیاہ دور آیا، جس نے 2006ء میں بلوچ رہنما اکبر خان بگٹی کو 2006ء میں ایک فوجی آپریشن میں شہید کر کے بلوچستان میں ایک ایسی آگ لگا دی، جو ابھی تک بجھنے کا نام نہیں لے رہی، جس نے بلوچ علماء کے لیے بھی کئی دینی و سیاسی چیلنجز پیدا کیے رکھے ہیں اور 2011ء کے بعد سے ملک میں عمران خان کا سیاسی بھونچال بھی نئے عنصر کے طور پر سامنے آیا۔

ادھر بلوچستان کو 1970ء میں صوبہ کی حیثیت مل گئی۔ اس سے پہلے ملک میں ون یونٹ کا سیاسی نظام قائم تھا۔ یہ بھی یاد رہے کہ خاران کی ریاست تقریبًا 1697ء میں قلات کی ایک جاگیردار ریاست کے طور پر 1940 تک قائم ہوئی تھی۔ 17 مارچ 1948ء کو ریاست خاران نے پاکستان سے الحاق کیا اور 3 اکتوبر 1952 کو اس نے بلوچستان اسٹیٹس یونین میں شمولیت اختیار

کی۔ ریاست کو 14 اکتوبر 1955 کو تحلیل کر دیا گیا۔ جب پاکستان کے مغربی حصے کے بیشتر علاقوں کو ملا کر مغربی پاکستان کا صوبہ بنایا گیا۔ مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ اسی ریاست خاران کے تحت تعمیر شدہ مرکزی جامع مسجد میں 1982ء سے امامت و خطابت کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔ حضرتؒ نے پہلے وزیراعلیٰ عطاءاللہ مینگل 1972ء سے لے کر آخری وزیر اعلیٰ سرفراز بگٹی مارچ 2024ء تک سب ادوار دیکھے تھے۔ اس طویل عرصے کے دوران صوبے میں کئی شورشیں آئیں۔ آپریشنز ہوئے، مرکز گریز ہوائیں چلیں۔ کئی حکومتیں ایسی بھی آئیں کہ آپ کی جماعت جمعیت علماء اسلام مرکزی اور صوبائی حکومتوں میں شامل رہی۔

خطے میں دینی پسماندگی کے ابتدائی مناظر

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ اس خطے کے ان اولین اہلِ علم میں سے ہیں، جنہوں نے قیامِ پاکستان کے آغاز کا زمانہ دیکھا۔ بلوچستان اور خاران میں وہ دور بھی دیکھا کہ توحید و سنت کے حوالے سے ہر طرف تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ شرک و بدعات اور رسوم و خرافات کا راج تھا، جس کی ایک جھلک عبدالقادر شاہوانی نے 1978ء میں شائع ہونے والی اپنی مشہور کتاب "آئینہ خاران" میں یوں پیش کی ہے کہ:

یہاں کی اجتماعی آبادی سنی العقیدہ مسلم ہے۔ مسعودی کہتا ہے کہ خلیفہ امید (امائد) کے زمانے میں خاران کے پہاڑوں کے باشندے آتش پرست تھے اور انہوں نے آٹھویں صدی اور گیارہویں صدی کے درمیان میں اباسد (ABBASID) کے دور میں اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد وہ شیعہ مذہب میں داخل ہونے شروع ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ شیعہ فرقہ کے وطن ایران کے ہمسائے تھے، لیکن ان کا اعتقاد وہی پرانا ہی تھا۔

سردار آزاد خان کے دور (1833ء تا 1885ء) سے پہلے یہاں کے لوگ اسلام کی اصلیت کے مطابق بہت کم جانتے تھے اور جب سردار آزاد خان افغانستان کے دورے پر گئے، تو وہاں سے وہ چند مُلّا بھی ساتھ لائے۔ انہوں نے یہاں کے عوام کو اسلام کی روشنی سے روشناس کیا۔

اگرچہ بعد میں یہاں کے لوگ بھی قاسم العلوم ملتان یا سندھ کے دیگر مذہبی مدارس سے تعلیم حاصل کر کے تمغۂ ''مُلّا یا مولوی'' حاصل کر چکے ہیں اور تقریباً ہر گاؤں میں کوئی نہ کوئی مُلّا موجود ہے، لیکن پھر بھی ان کے قدیم روایاتی عقائد میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکی ہے اور اس سائنسی دور میں بھی یہاں کے اکثر لوگ مقبروں، درختوں اور چشموں وغیرہ پر بھیڑ بکریاں لے جا کر ذبح کرتے ہیں اور اپنی مراد، بیماری اور کامیابی وغیرہ کے لیے دعائیں مانگتے ہیں۔ (آئینہ خاران، ص: 379)

اسی سلسلے میں عبدالقادر شاہوانی نے لکڑ پرستی، راسانی، شے شادی، ملک سرندہ، سلطان، شیخ حسین جیسے شرک وبدعت کے رسومات اور مراکز کا ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد 37 ایسے مزارات اور مقامات کی فہرست پیش کی ہے، جہاں لوگ مختلف مذہبی عقائد اور توہمات کے تحت جا کر حاضری دیتے ہیں اور شرک وبدعات اور اوہام و خرافات میں مبتلا ہوتے ہیں۔

تو ایسے پراگندہ ماحول میں مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ نے توحید وسنت کے فروغ اور علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت کا جاں گسل کام کرنے کی دینی ذمہ داری نبھائی۔ جہاں پہلے غالب اکثریت شرک وبدعات میں مبتلا تھی، اب آپ کے اور معاصر علماء کی محنت سے غالب اکثریت خالص توحید وسنت کی طرف لوٹ گئی۔ آپ نے اس حوالے سے جو منہج و حکمت عملی اپنائی، جو مخصوص رخ اور میدان اپنے لیے منتخب فرمالیا اور اس دعوتی و دینی جہد وجہد میں جو قربانیاں دیں، ان کی تفصیل کا تذکرہ ہی اس رسالے کا اصل موضوع ہے، تو آئیے! حضرتؒ کے تعارف سے اس روح پرَوَر داستان کا آغاز کریں گے۔

پیدائش اور خاندان

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کی پیدائش بیسویں صدی عیسوی کے نصف اول میں قیامِ پاکستان سے پہلے ریاست خاران کے ایک دیہات میں ہوئی، جو شہر خاران سے مغرب کی جانب لگ بھگ تیس پینتیس کلومیٹر کے فاصلے پر آج بھی درکزئی کے نام سے موجود ہے۔ آپ کے قبیلہ کا نام بھی درکزئی ہے، جو خود ایک ریاستی سردار قوم ہے، محمد حسنی سے لگتا ہے۔ تاریخِ پیدائش 1932ء

بتائی جاتی ہے۔آپ اکلوتے تھے، نہ کوئی بھائی نہ بہن۔پیدائش کے تقریباً 15ماہ بعد آپ کے والد محترم جناب رحیم بخش مرحوم وفات پاگئے، جبکہ والدہ محترمہ نے آپ کی باضابطہ فراغت کے بعد وفات پائی ہے، جب آپ مختلف علوم وفنون کے تکملہ کے علمی اسفار پر تھے۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی کامل مغفرت فرمائے۔

حصولِ علم اور اساتذہ ومشائخ

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ نے مختلف درسگاہوں اور علمی شخصیات سے کسبِ فیض کیا ہے، جس کی تفصیل حضرت کے فاضل نواسے مولانا ابوانس ولی اللہ الحسنی صاحب نے یوں بتائی کہ: آپ نے قاعدہ وناظرہ اپنی والدہ محترمہ سے پڑھا۔ پھر سندھ میں قراءت و تجوید پڑھ کر مزید پختگی حاصل کرلی اور ابتداء میں ایک سال حضرت نے سابقہ دارالعلوم اور موجودہ مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن مرکزی جامع مسجد خاران میں ممتاز عالم دین حضرت مولانا استاذ محمد عظیمؒ اور مولانا قاضی غلام محمد عیسی زئیؒ سے کچھ کتابیں پڑھی ہیں۔فارسی استاذ مولانا کریم دادؒ سے ٹی پل ڈیرہ مراد جمالی میں پڑھی ہے۔ایک سال کوئٹہ میں حضرت مولانا خیر محمدؒ جیو والے کے مدرسہ میں زیر تعلیم رہے ہیں۔ شیخ الحدیث مولانا سید عبدالستار شاہ بانی جامعہ رحیمیہ کوئٹہ اور دالبندین کے مولانا محمد عالم آپ کے کلاس فیلو رہے ہیں۔اس کے بعد ثانی دارالعلوم دیوبند جامعہ دارالھدی ٹھیڑی سندھ کی طرف تحصیل علم کے لیے محوِ سفر ہوئے۔جہاں سے 1963ء کو آپ کی فراغت ہوئی۔

آپؒ کے چند نامور اساتذۂ کرام کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

جامعہ دارالھدی ٹھیڑی کے اساتذۂ کرام میں بانی جامعہ شیخ الحدیث مولانا حبیب اللہؒ، شیخ الحدیث مولانا غلام قادرؒ، استاذالحدیث مولانا قطب الدینؒ، مولانا مفتی رشید احمدؒ بانی جامعۃ الرشید کراچی، قاری عزیز احمدؒ فاضل دیوبند، قاضی فضل اللہؒ، مولانا محمد عظیمؒ، قاضی غلام محمدؒ خاران، مولانا خیر محمدؒ کوئٹہ، قرآنیات اور تفسیر میں آپ نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ، شیخ عبدالغنی جاجرویؒ اور حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ جیسے اساطین تفسیر سے فیض پایا۔ آپؒ نے حافظ الحدیث حضرت

مولانا عبد اللہ درخواستیؒ سے بھی تلمذ کی سعادت حاصل کی۔

وقت کے مشائخِ تصوف وسلوک سے بیعت کا تعلق قائم تھا۔ پہلی بیعت تقریبًا سن 1960ء میں زمانۂ طالب علمی میں حضرت مولانا سائیں حماد اللہ ہالیجویؒ سے ہوئی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت کے فرزند حافظ محمود اسعدؒ سے تعلق قائم کیا۔ ان کی وفات کے بعد ان کے فرزند سائیں عبد الصمد ہالیجویؒ سے سلوک کا رشتہ استوار ہوا۔

غربت اور پُر مشقت تعلیمی سفر کی دلچسپ داستان

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحب زمانۂ طالب علمی میں جب سکھر سے مولانا غلام اللہ خانؒ کے دورۂ تفسیر میں شرکت کے لیے راولپنڈی چلے گئے، تو یہاں خاران میں کسی نے ان کی والدہ محترمہ کو (جو بیوہ ہو چکی تھی) بتایا کہ تمہارا بچہ پنڈی چلا گیا ہے۔ بلوچی میں پنڈی بھیک مانگنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ ماں کو بڑی تکلیف ہوئی، فرمانے لگی کہ ہائے! میرا بچہ! ایسا غریب ہو چکا ہے کہ اب بھیک مانگنے لگا ہے۔ کہیں سے دس روپے کا بندوبست کر کے بچے کے لیے پنڈی بھجوا دیا۔ بوڑھی اماں کو کیا پتہ کہ پنڈی کوئی بھیک مانگنے کو نہیں، بلکہ پنجاب کے ایک مشہور شہر راولپنڈی کو کہا جاتا ہے۔

نامور عرب محقق شیخ عبد الفتاح ابو غدہؒ نے اپنی دلچسپ اور علمی موٹیویشنل کتاب ”صفحات من صبر العلماء علی شدائد العلم والتحصیل“ میں لکھا ہے کہ:

اندلس کے مشہور محدث بقی ابن مخلدؒ (م 276ھ) امام احمد ابن حنبلؒ سے ملاقات اور حدیث کا علم حاصل کرنے کے لیے اندلس سے بغداد پیدل چلے گئے، جو تین ہزار سے زائد کلومیٹر کا سفر بنتا ہے۔ یہ سفر 20 سال کی عمر میں، جب عنفوان شباب عروج پر، تو شوق علم بھی فزوں تر تھا۔

انہی اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ نے بھی طالب علمی کے زمانے میں لمبے پیدل سفر کیے ہیں۔ محترم قاری حافظ شمس الدین صاحب بتاتے ہیں کہ حضرتؒ نے زمانۂ طالب علمی میں خاران سے ٹھیڑی خیر پور سندھ تک کا دو دفعہ پیدل سفر کیا۔ راستے

میں پہاڑ، جنگلات، میدان وغیرہ آتے رہے، لیکن یہ مجنون، لیلائے علم کی تلاش میں صحرا نوردی کرتے رہے، جو لگ بھگ 845 کلومیٹر کا فاصلہ بنتا ہے۔ یوں انھوں نے سفر علم میں مشقتیں جھیل کر موبائلی نسل کے عیش کوش طلباء کے لیے "نشانِ سبق" چھوڑ دیا۔ حقیقی معنوں میں یادگار اسلاف ایسے ہی لوگ تھے۔ اموی دور میں بصرہ کے عظیم شاعر فرزدق (وفات 728ء) کے الفاظ میں:

أولٰئِكَ آبائِي فَجِئْنِي بِمِثْلِهِم
إِذا جَمَعَتنا يا جَرِيرُ المَجامِعُ

ہمارے سابقہ اور موجودہ اکابرین جس مقام پر پہنچے ہیں، یہ منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا نہیں ہوئے، بلکہ بڑی مشقتیں اور تکلیفیں اٹھا کر وہ اس مقام پر پہنچے ہیں۔ حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ آخر عمر میں گھر سے مدرسہ تک روزانہ گاڑی میں آیا جایا کرتے تھے، مگر ایک پُر مشقت دور وہ تھا، جب وہ گھر سے مدرسہ کبھی پیدل تو کبھی سائیکل پر کسی کے ساتھ آجاتے تھے۔ میرے ماموں مولوی قادر بخش صاحب جب دارالعلوم خاران میں طالب علم تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ میں حضرت کو سائیکل پر پیچھے بٹھا کر مدرسہ سے مرکزی جامع مسجد لے جاتا تھا۔ اقبال کی زبان میں روشن مستقبل کا دارومدار مشقت و محنت پر ہے۔

بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شرر تیشہ سے ہے خانہ فرہاد

شادی اور اولاد

مولانا ولی اللہ الحسنی صاحب فرماتے ہیں کہ ناناجانؒ کے والد مرحوم رحیم بخش، چچا مابت خان مرحوم اور مزار خان مرحوم تینوں بھائی رہے ہیں۔ مزار خان مرحوم کافی عرصہ تک حیات تھے۔ میں نے ان کی خدمت کی ہے۔ ناناجان نوراللہ مرقدہ کی پہلی شادی زمانۂ طالب علمی میں مرحوم چچا مابت خان کی بیٹی سے ہوئی ہے۔ ان سے دو بیٹے پیدا ہوئے: بڑے بیٹے کا نام کلیم اللہ تھا۔ کچھ ماہ زندہ رہا۔ تقریبًا استاذ قاری محمد حنیف صاحب کے ہم عمر ہوگا۔ دوسرا بیٹا پیدائش کے 2 دن بعد ماں

سمیت یرقان کی وجہ سے فوت ہو گیا۔

دوسری شادی علوم اسلامیہ سے فراغت پانے کے بعد مرحوم چچا مزار خان کی بیٹی سے ہوئی ہے، جو کہ ہماری نانی جان ہے۔ ان سے درج ذیل اولاد اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی: تین بیٹے اور سات بیٹیاں۔ ماشااللہ! صاحبزادے: مولانا حماداللہ صاحب، فضل اللہ، حافظ حمداللہ اور سات صاحبزادیاں: زوجہ حافظ شمس الدین صاحب محمد حسنی، زوجہ میر عطاء اللہ درکزئی، زوجہ عبد الاحد درکزئی، زوجہ صبغت اللہ درکزئی، زوجہ حافظ عبد الحفیظ درکزئی، زوجہ مرحوم ماسٹر ظفر علی کبدانی، زوجہ حافظ عبد الصمد محمد حسنی۔

آپ کے بچپن اور یتیمی کی تنہائیوں میں اللہ پاک نے ایسی برکت ڈال دی کہ الحمدللہ! حضرت ناناجان نوراللہ مرقدہ نے ماشاءاللہ! اپنی آنکھوں سے 100 سے زائد اپنی اولاد اور اولادوں کی اولاد (نواسے، نواسیوں، پڑنواسے، پڑنواسیوں، پوتے، پوتیوں) کو دیکھا اور آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ فللّٰہ الحمد! اپنی اولاد سے بے پناہ محبت تھی۔ سب بچے بچیوں پر یکساں نظر اور التفات رکھتے تھے۔ الحمدللہ! تمام بچے بچیاں شادی شدہ صاحب اولاد ہیں اور تمام دامادوں سے صرف بچیوں کا شرعی حق مہر وصول کیا۔ کسی داماد سے شادی کا خرچہ نہ وصول کیا اور نہ ہی مطالبہ کیا۔ ہمیشہ نصیحت کرتے رہتے کہ بچوں کی مار پیٹ اور بددعا دینے سے پرہیز کریں اور تاکید کرتے تھے کہ جتنا بھی غصہ آئے، مگر بچوں کو بدعا نہ دیں، بلکہ نیک دعا دیا کریں کہ اللہ پاک ہدایت دیں یا اس جیسے کلمات کہیں۔ ان سے بچوں کے نصیب لگ جاتے ہیں۔

تذکرۂ خدمات

تدریسی خدمات اور معروف تلامذہ

مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ نے عملی زندگی کا آغاز امامت و تدریس سے کیا۔ 10 سال مدرسہ دارالعلوم غفرانیہ بریارو ڈسندھ میں تشنگانِ علوم نبوت کو جام علم پلایا۔ چار سال مدرسہ تعلیم القرآن عیسیٰ خان مری گوٹھ کو اپنا مرکز فیض بنایا۔ اس کے بعد آبائی وطن خاران تشریف لائے، تو عرصہ 14 سال جامعہ دارالعلوم خاران کے مسند تدریس کو رونق بخشی۔ ریاست خاران کے زیرِ انتظام قائم شدہ مرکزی جامع مسجد سے 1982ء سے بطور امام و خطیب منسلک ہوئے۔ اسی سے متّصل دینی مدرسے کا نظم واہتمام سنبھال لیا، جہاں تا دمِ واپسی مخلوقِ خدا کو اپنے علم و فضل سے فیض یابی کے مواقع عطا فرماتے رہے۔

یوں تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں کی تعداد میں علوم نبوت کے طلبہ نے آپ کے علم و فضل سے فائدہ اٹھایا، مگر ان میں سے جن نمایاں تلامذہ کے نام مجھے موصول ہوئے، صرف انہی کے نام درج کرتا ہوں:

حضرت مولانا مفتی عبد الغفار صاحب دامت برکاتہم، مولانا سید طاہر شاہ صاحب کوئٹہ، مولانا عبد الشکور مری سندھ، مولانا خلیفہ سعد اللہؒ (مصنفِ کتاب محمود خارانی کے والد گرامی قدر)، حافظ شمس الدین صاحب خاران، مولانا عبد الرزاق صاحب، ناظم تعلیمات جامعہ دارالعلوم خاران، فخر القراء قاری محمد حنیف صاحب، مولانا عبد الماجد، مولانا فیض محمد جنگل، مولانا سعید احمد نوشکی، مولانا سعید احمد اسپلنجی، مولانا حماد اللہ، مولانا مفتی عباد الرحمٰن، مفتی محمد دین کوئٹہ، مولانا امیر الدین مقیم مدینہ منورہ، مولانا محمد جلال مکہ مکرمہ، مولانا عبد الرزاق سلفی، مولانا عبد المجید کینگی، مولانا حبیب الرحمٰن سینئر عربک ٹیچر، مولانا فضل اللہ بن رسول بخش سینئر عربک ٹیچر، مولانا حکیم محمد عظیم

زر دواشک، مولانا حسین احمد ڈھیلی کلاگان، مولانا فضل اللہ شاہوانی، مفتی محمد علی جوہر کوئٹہ، مولانا حافظ عبد المالک اسپلنجی، ملا کریم بخش یلانزئی، مولانا محمد عظیم، مولانا ابوانس ولی اللہ الحسنی، مولانا عبید اللہ قاسمی، حافظ جمال عبد الناصر، مولانا غلام محمد خاران، مولانا عبد الستار عربک ٹیچر سلام بیک، مولانا قادر بخش معلم القرآن سلام بیک، مولانا عبد القادر سلام بیک، حافظ مقصود احمد، ملا عبد الواحد خاران، میر نثار احمد بزمی۔

ریاستی مرکزی جامع مسجد میں امامت وخطابت

خاران تاریخی لحاظ سے قلات حکومت کی ایک باجگزار ریاست کے طور پر متعارف رہا ہے۔ 1697ء سے لے کر 1948ء تک جن حکمرانوں نے ریاست خاران پر حکمرانی کی ہے، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

دینار خان، شہداد خان اول، رحمت خان، پردل خان (1712ء تا 1747ء) عباس خان دوم (1747ء تا 1749ء) شہداد خان دوم (1749ء تا 1796ء) جہانگیر خان (1796 تا 1810) عباس خان سوم (1810ء تا 1833ء) آزاد خان (1833ء تا 1885ء) نوروز خان (1885ء تا 1908ء) محمد یعقوب خان (1908ء تا 1912ء) امیر حبیب اللہ خان نوشیروانی (1912ء تا 1955ء)۔

مرکزی جامع مسجد امیر حبیب اللہ خان کے ابتدائی دور میں تعمیر ہوئی۔ ریاست پاکستان کے ساتھ ضم ہو جانے کے بعد یہ مسجد محکمہ اوقاف کی تحویل میں چلی گئی، تو میرے ماموں مولوی قادر بخش صاحب بتاتے ہیں کہ حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ ہم طلباء کو لے کر اسی مسجد میں آتے۔ ارشاد الصرف وغیرہ کتابیں ہمیں پڑھاتے۔ جب قاضی احمد جان صاحب عہدۂ قضاء کی طرف چلے گئے، تو اس مسجد کی سرکاری امامت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ نے سنبھالی۔ یہ 1982ء کا دور تھا۔ آپ پنج وقت نمازوں کے ساتھ جمعہ کے خطبات بھی کئی دہائیوں تک دیتے رہے اور یہ مسجد آپ کی خطابت اور وعظ و بیان کی صورت میں منبع فیض رہی۔ پھر اسی مسجد سے متّصل مدرسے کا انتظام

وانصرام بھی آپ نے تاحیات سنبھالا۔

ردِ شرک وبدعات اور تبلیغی مساعی جمیلہ

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ جیسے اکابرین کے اسوۂ تبلیغ میں نوجوان فضلاء کے لیے یہ امر قابل تقلید ہے کہ انہوں نے اپنی علمی زندگی میں ”بڑے علماء بڑے شہروں“ تک محدود رہنے کی روایت کو توڑ کر اپنا دائرہ افادیت گاؤں اور دیہاتوں تک بھی وسیع کر دیا تھا۔ قریہ قریہ جاکر وعظ فرماتے تھے۔ گاؤں گاؤں تک اونٹوں پر سفر کر کے دین کا پیغام پہنچاتے تھے۔ بستی بستی کو توحید وسنت کی تعلیمات سے روشناس کراتے تھے۔

شاید ہماری پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے کہ ہمارے گاؤں سلام بیگ میں نماز جمعہ کا افتتاح کرنے جو مقامی اکابرین تشریف لائے تھے۔ بتایا جاتا ہے کہ اس ”وفدِ علماء“ میں آنجناب بھی بطور رکن رکین شامل تھے اور میرے والد گرامی مولانا خلیفہ سعد اللہؒ کو پنج وقتہ نمازوں کے ساتھ جمعہ سنبھالنے کی ذمہ داری بھی دی گئی۔ اس کے بعد بھی آپ دیگر مختلف دیہاتوں میں دعوتی و تبلیغی دوروں پر آمد ورفت رکھتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہمارے گاؤں میں جمعہ کے دن چند علماء کرام تشریف لائے۔ بچے ہونے کی وجہ سے ہمیں پتہ نہیں چلا کہ کون کون ہیں اور کس مقصد کے تحت آئے ہیں، مگر والد صاحبؒ نے بتایا کہ جو وجیہ وخوب صورت اور بارعب شخصیت تھی، ان کا نام حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ ہے۔

حضرتؒ کی صاحبزادی محترمہ ام ولی صاحبہ فرماتی ہیں کہ گاؤں کی بزرگ خواتین کہا کرتی تھیں کہ حضرتؒ کی پہلی بیوی کی وفات کے بعد جب حضرتؒ سندھ سے تشریف لائے، ایسے وقت میں گھر پہنچے کہ ہانڈی چڑھی ہوئی تھی، گوشت پک رہا تھا۔ حضرت نے پوچھا یہ کیسا گوشت ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ تو حاضرین نے کہا کہ یہ پیر سے لائے ہوئے گوشت ہیں۔ حضرتؒ نے ہانڈی گرا کر لوگوں کو سختی سے غیر اللہ کے نام پر ذبح شدہ جانور کے گوشت کھانے سے منع فرمایا اور لوگوں کو بڑی سختی سے شرک وبدعات سے منع کرتے تھے۔ لوگ حضرتؒ کے سمجھانے کی وجہ سے پیر کے نام کیے گوشت

اور دوسرے اشیاء لینے اور لانے سے رک گئے۔ کلی درکزئی اور توتازئی کے درمیان ایک مشہور قبرستان ہے، جو کہ ملکِ قبرستان کے نام سے موسوم ہے۔ وہاں پر ایک پیر مدفون ہے، نام پیر ملک گل فتح ہے۔

محترمہ ام ولی صاحبہ مزید فرماتی ہیں کہ اباجان جب سندھ سے خاران تشریف لاتے، تو لوگ وعظ سننے کے لیے کلی درکزئی کی مسجد میں جمع ہوتے تھے۔ حضرت کا وعظ ہوتا تھا۔ ہمارے ماموں یعنی حضرت کے چچازاد بھائی اور سالہ کریم جان مرحوم مشکیزہ بھر کر سامعین کو پانی پلاتے تھے۔ مولانا ولی اللہ صاحب بتاتے ہیں کہ ہم بچے تھے۔ ابا جی کے ساتھ جب گاؤں جانا ہوتا تھا۔ تو وہاں کی مسجد میں بھی فجر کو درس قرآن دیا کرتے تھے۔

چالیس سال درس قرآن کا مبارک سلسلہ

جس زمانے میں خاران کے "اصحابِ سبعہ" خادمانِ دین نے مختلف دینی محاذوں پر کام کا آغاز کیا تھا، تو یہ وہ دور تھا، جب بدعات و خرافات اور اوہام و رسومات سے فضاءِ خاران مسموم تھی۔ ایسے میں ان اکابرین نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی وصیت کو مشعلِ راہ بنا کر جدوجہد کا آغاز کیا۔ شیخ الہندؒ ساڑھے تین سال مالٹا جزیرے میں نظر بند رہے۔ رہائی کے بعد دیوبند میں علماء کی ایک جماعت کے سامنے اپنی زندگی بھر کے تجربات اور جدوجہد کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ:

میرے نزدیک مسلمانوں کی پستی اور زوال کے دو بڑے اسباب ہیں: ایک قرآن کریم سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات و تنازعات؛ اس لیے امت مسلمہ کو دوبارہ اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو عام کیا جائے اور مسلمانوں میں باہمی اتحاد و مفاہمت کو فروغ دینے کے لیے محنت کی جائے۔

خاران جیسی سخت جاں سرزمین میں 60 اور 70 کی دہائی میں عوام کو خرافات اور رسوم کی دلدل سے نکال کر قرآن و سنت کی تعلیمات سے براہِ راست روشناس کرانا بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ اس کے لیے مختلف مناہجِ دعوت اپنائے گئے، جن میں سے ایک طریقہ درس قرآن کا تھا۔ کچھ حضرات

نے درسِ قرآن کے عوامی حلقے قائم کیے اور قرآن کریم کو عام لوگوں کی زبان میں ترجمہ و تفسیر کے ساتھ پیش کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ درسِ قرآن کے میدان میں جو شخصیات مصروفِ خدمت رہیں، میری معلومات اور ناقص تجزیے کے مطابق ان میں تین شخصیات نمایاں ہیں: ایک حضرت مولانا محمد عظیم صاحبؒ، دوسرے حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ اور تیسرے حضرت مولانا مفتی عبدالغفار صاحب دامت برکاتہم۔ (جن کے دروسِ قرآن کو بلوچی زبان میں راقم نے قلم بند کرنا شروع کیا ہے، سورۂ مائدہ تک کام مکمل ہو چکا ہے۔)

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ نے شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خانؒ اور شیخ التفسیر مولانا عبدالغنی جاجرویؒ کے طرز و اسلوب پر اپنی مرکزی جامع مسجد میں لگ بھگ 40 سال صبح نماز فجر کے بعد ٹھیٹھ بلوچی زبان میں درسِ قرآن دیا۔ پانچ مرتبہ قرآن کریم از اول تا آخر ترجمہ و تفسیر کے ساتھ مکمل کیا اور یہ مبارک تفسیری سلسلہ زندگی کے صرف آخری پانچ سالوں میں منقطع رہا، جب ضعف و امراض اور پیرانہ سالی کی وجہ سے صحت و توانائی کی تب و تاب نہ رہی۔

2010ء کو جامعہ دارالعلوم خاران میں تدریس کے ساتھ ساتھ میں برادرم قاری سعد اللہ رند صاحب کی مسجد میں فجر کو مختصر درس قرآن دیا کرتا تھا۔ درس سے فارغ ہو کر نکلتا، تو لاؤڈ سپیکر پر کبھی حضرت کی والہانہ اور رقت آمیز دعا سنائی دیتی تھی، تو کبھی ان کی ''صدائے تفسیر'' سماعت سے ٹکراتی۔ بقول مولانا مطیع اللہ صاحب: وہ کیسا منظر ہوتا تھا، جب صبح فجر کی نماز کے بعد حضرتؒ کے درس قرآن کی آواز پرندوں کے چہچہانے کے ساتھ پورے خاران شہر میں سنائی دیتی تھی ؟؟؟!!!

ان حضرات کے اس دعوتی منہج میں نوجوان علماء کے لیے یہ سبق موجود ہے کہ وہ بھی مختلف گمراہ کن افکار و نظریات کی یلغار سے عوام کے عقائد کو محفوظ رکھنے کے لیے یہی جہد و جہد شروع کریں کہ عوام کا قرآن کریم کے ساتھ فہم و شعور کا تعلق قائم ہو۔

مدرسہ کا منصبِ اہتمام اور تعلیمی خدمات

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ نے دو صورتوں میں تعلیمی خدمات انجام دی ہیں: بطور

مدرسِ علوم اسلامیہ اور بحیثیتِ مہتمم مدرسہ عربیہ۔

1963ء کو جامعہ دار الھدیٰ ٹھیڑی خیر پور سندھ سے فراغت کے بعد عرصہ دس سال مدرسہ دارالعلوم غفرانیہ بریارو ڈ سندھ میں، چار سال مدرسہ تعلیم القرآن عیسیٰ خان مری گوٹھ میں اور 14 سال جامعہ دارالعلوم خاران میں تدریسی خدمات انجام دی اور باقاعدہ 1982ء سے تادمِ واپسی مدرسہ عربیہ تعلیم القران کے مہتمم کی حیثیت سے کئی تشنگانِ علم کی سیرابی کا ذریعہ بنے۔

مدرسہ ھٰذا کا نظم ونسق سنبھالنا، اس مدرسے کے قیام کا تاریخی پس منظر کیا ہے ؟اس بارے میں مدرسہ کے ناظم تعلیمات مولانا ولی اللہ الحسنی صاحب نے درج ذیل تحریر لکھی، جو نہ صرف یہ کہ اس مدرسہ بلکہ جامعہ دارالعلوم کے قیام کے ارتقائی مراحل اور مختلف مقامی اکابرین کی اس میں تاسیسی حصہ ڈالنے پر بھی روشنی ڈالتی تحریر ہے: سن 1956ء کو حضرت مولانا عبدالرزاق صاحبؒ (فاضل دارالعلوم دیوبند) نے دارالعلوم خاران کی بنیاد اسی مرکزی جامع مسجد خاران کے متّصل رکھی۔ بعد میں جب مدرسہ یہاں سے منتقل ہوا، تو دارالعلوم نام کو موجودہ جامعہ دارالعلوم خاران پر رکھا۔

اس کے بعد مولانا محمد عظیم صاحبؒ نے اس مرکزی مدرسہ ومسجد کو سنبھالا۔ اس کے بعد مولانا قاضی احمد جان محمد حسنی کے ہاتھ آئے۔ تقریبًا 10 سال تک قاری صاحب کے زیر نگرانی میں رہے۔ پھر قاری صاحب نے تقریبًا 1979ء کے اوائل میں حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ کے حوالہ کیا اور خود حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ سے فقہ کی کچھ کتابیں اور قضاء پڑھی اور پھر خود جاکر سرکاری قاضی لگ گئے۔ 1982ء کو جب حضرت سرکاری طور پر مرکزی جامع مسجد خاران کے امام وخطیب لگ گئے اور مدرسہ بھی قاری صاحب نے حضرتؒ کے حوالہ کیا، تو حضرت نے مدرسہ کا نام مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن مرکزی جامع مسجد رکھا، لیکن مشہور نام مرکزی جامع مسجد خاران ہی رہا۔ مدرسہ کا صحن تھا ہی نہیں۔ گاڑی تو دور کی بات، موٹر سائیکل مشکل سے مدرسہ میں آسکتا تھا، لیکن حضرتؒ کی فکر مندی اور دعائیں تھیں کہ آس پاس کے پڑوسیوں نے اپنے مکانات بیچ دیئے، تو حضرتؒ ان گھروں کو خرید خرید کر مدرسہ کو وسیع کرتے رہے اور آج الحمد للہ! مدرسہ کا ایک وسیع وعریض صحن ہے۔ کچھ عرصہ تک بنین وبنات ایک ساتھ پڑھتے رہے۔

2005ء کو بنات کے لیے ایک الگ کچی عمارت تعمیر کی، لیکن 2007ء کے سیلابی بارشوں سے عمارت کو شدید نقصان پہنچا۔ پھر اس عمارت کو ختم کر کے نئے ڈیزائن اور منصوبہ کے تحت جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات تعمیر کی گئی۔ الحمدللہ! مدرسہ میں اس وقت تمام شعبہ جات: شعبہ قاعدہ، ناظرہ، رہائشی و غیر رہائشی شعبہ حفظ، شعبہ کتب میں 120 بچے زیر تعلیم ہیں۔ شعبہ بنات میں قاعدہ و ناظرہ، حفظ اور شعبہ کتب تمہیدیہ سے لے کر دورۂ حدیث تک 250 طالبات زیر تعلیم ہیں اور الحمدللہ! مدرسہ میں شعبہ دارالافتاء والقضاء والتحکیم میں خدمات فاضل نوجوان حضرت کے شاگرد رشید ممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی عبادالرحمٰن صاحب کی زیر نگرانی انتہائی منظم انداز میں جاری ہیں اور اس وقت 13 مرد اساتذۂ کرام اور 12 استانی یعنی عالمات درس و تدریس کی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

نفاذِ اسلام کی سیاسی جدو جہد اور حکمرانوں کے ساتھ طرز عمل

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کی نظریاتی وابستگی جمعیت علماء اسلام پاکستان سے تھی۔ آپ کی جوانی کا دور حضرت مولانا مفتی محمودؒ کی قیادت میں گزرا اور بڑھاپے کا زمانہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی سیادت میں گزرا۔ ان دونوں ادوار میں خاران میں بہت سے اکابرین جماعتی مناصب پر فائز رہے۔ جیسے: حضرت مولانا عبدالرزاقؒ فاضل دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا عبد الشکورؒ مدیر جامعہ دارالعلوم خاران، حضرت مولانا مفتی عبدالغفار صاحب دامت برکاتہم۔ ان سب کے شانہ بشانہ آپ نے جماعتی خدمات اپنی فرصت اور پوزیشن کے مطابق سرانجام دیں اور ایک مخلص اور نظریاتی رکن کے طور پر جماعت سے وابستہ رہے، جسے نہ جماعتی عہدوں سے کوئی دلچسپی تھی، نہ کسی مفاد کی لالچ۔ سرکاری ملازمت کے دوران تو عملی سیاست ویسے بھی ممکن نہیں ہوتی، مگر آپ نے جماعتی عہدوں کی کشمکش میں کبھی حصہ نہ لیا۔ نہ ملازمت سے پہلے اور نہ ریٹائرمنٹ کے بعد کسی امارت یا سرپرستی کی دوڑ میں شامل ہوئے۔ اس سب کچھ کے باوجود الیکشن کے مواقع پر آپ علاقے کے دیگر جماعتی قائدین کے ساتھ دور دراز کے علاقوں میں انتخابی مہم میں ساتھ ہوتے تھے اور

جماعتی امیدواروں کو کامیاب کرانے میں اپنا حصہ ڈالتے تھے۔ جماعت سے وابستگی کے بارے میں آپ کا موقف بھی بڑا سخت تھا۔ جو شخص جماعت چھوڑ کر کسی اور قوم پرست یا وفاق پرست پارٹی میں شمولیت اختیار کرتا، تو اس پر بہت ناراضی کا اظہار فرماتے تھے۔

جماعت سے اس تمام تر مخلصانہ وابستگی کے باوجود آپ ایک وسیع الظرف اور کشادہ دل شخصیت تھے۔ آپ کی دلربا شخصیت کے سامنے ہر پارٹی کے لوگ حاضر ہو کر دعائیں لیا کرتے تھے۔ وقت کے سیاسی نمائندے، حکمران طبقے اور سرکاری اہلکاران و افسران بھی آپ کے در پر حاضری دیا کرتے تھے۔ اس حوالے سے جماعتی وابستگی مانع نہ ہوتی تھی۔ آپ کی اس روادارانہ طرزِ عمل کی وجہ سے آپ کسی بھی سیاسی تنازعے کا نہ کبھی شکار ہوئے اور نہ فریق بنے۔ یوں آپ کی شخصیت بلا امتیاز ایک سائبان کی روپ میں سب کے لیے باعث کشش تھی۔

آپ کا یہ طرزِ عمل اصل میں اپنی صلاحیتوں اور استعداد کی درست تشخیص اور درست استعمال کا مظہر ہے کہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص میں تمام اوصاف اور کمالات موجود ہوں اور وہ ہر دینی میدان میں خدمات سرانجام دے، بلکہ مفید طرز عمل یہی ہے کہ انسان اپنے مزاج اور اپنی صلاحیتوں کے مطابق کوئی ایک دینی میدان اور محاذ منتخب کر لے اور اسی میں اپنی تمام تر صلاحیتیں خرچ کرے، تو آپ نے سیاسی میدان اور سیاسی جدوجہد میں مکمل دخیل ہونے کی بجائے دینی علوم کی ترویج و اشاعت، وعظ و نصیحت، رد شرک و بدعات اور عوام کی اصلاح و ارشاد کے میدان میں اپنی علمی اور روحانی صلاحیتیں صرف کیں، جس کے نہایت مثبت اور دیرپا اثرات آپ کی زندگی میں ہی ظاہر ہوئے۔

اوصاف وکمالات

نماز باجماعت اور تلاوت قرآن کا اہتمام

حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ اس دور کے فیض یافتہ اہل علم میں سے تھے۔ جب علم پر عمل ہی کلیدی اہمیت رکھتا تھا، اسی ماحول میں پنپنے والی عادت شریفہ عمر بھر ساتھ رہی۔ نماز باجماعت کا قابل رشک اہتمام تھا۔ وفات سے چند دن پہلے کی ایک ویڈیو وائرل ہوئی، جس میں بیٹھے ہوئے کسی بندے کے سہارے نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس ویڈیو کے بارے میں مفتی عباد الرحمٰن صاحب نے مجھے بتایا کہ اس رات ہم سب لوگ حضرت کے پاس جمع تھے کہ ان کی طبیعت خراب تھی اور ان پر نیم غنودگی کی کیفیت طاری تھی۔ نماز کا وقت ہوا، تو ہم نے ادھر ہی ان کے کمرے میں جماعت کی نماز شروع کی۔ سلام پھیرنے کے بعد دیکھا کہ پیچھے حضرت بھی جماعت میں شریک ہو چکے ہیں، حالانکہ کامل طور پر حواس بحال بھی نہیں ہوئے تھے، مگر جماعت کی آواز سن کر بیٹھے بیٹھے پیچھے نیت باندھ کر جماعت میں شریک ہو گئے۔ ہر نماز میں انہیں سہارا دے کر مسجد میں لایا جاتا تھا، جہاں امام کے بالکل سیدھ میں پیچھے بیٹھ کر نماز باجماعت ادا فرماتے تھے۔

آج کل طلبہ اور علماء میں ذوقِ قرآن کا شدید فقدان ہے، جس کا شکوہ علامہ محمد اقبالؒ نے بھی کیا تھا:۔

صاحب قرآن و بے ذوقِ طلب
العجب ثم العجب ثم العجب

عجیب بات ہے کہ مسلمان صاحبِ قرآن (قرآن مجید کا حامل) ہوتے ہوئے بھی طلب کے ذوق سے محروم ہے۔ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ (تعجب ہے، دوبارہ تعجب ہے اور سہ بارہ تعجب ہے۔)

مگر حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ تلاوتِ قرآن کریم کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔ ہمارے دوست حافظ محمد قسیم صاحب جب ان کے مدرسہ میں استاد تھے، تو اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ہر وقت ان کے سامنے قرآن کریم رکھا ہوتا تھا اور وہ تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ کوئی ملاقاتی آجاتا، تو تھوڑی دیر اس کے ساتھ دعا و سلام اور خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد اجازت لے کر دوبارہ تلاوتِ قرآن میں مشغول ہوجاتے۔ یعنی: لوگوں کے ساتھ بے فائدہ محفل جمانے کے بجائے وہ سازِ قرآن سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اقبال مرحوم نے کہا ہے ۔

محفل ما بے مے و بے ساقی است

سازِ قرآن را نواہا باقی است

الغرض! آپ اس قرآنی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جن کے بارے میں مصر کے جدید شاعر مصطفیٰ الجزار نے کہا ہے کہ ۔

قومٌ قد اختارَ الإلٰهُ قلوبَهُمْ

لِتَصِيرَ مِنْ غَرْسِ الهُدیٰ بُسْتَانَا

زُرِعَتْ حُروفُ النورِ بينَ شِفَاهِهِمْ

فَتَضَوَّعَتْ مِسْكًا يَفِيضُ بَيَانَا

رَفَعُوا كِتَابَ اللهِ فوقَ رُؤوسِهِمْ

لِيَكُونَ نُورًا في الظلامِ فكَانَا

سُبحانَ مَنْ وَهَبَ الأُجورَ لأَهْلِهَا

وَهَدیٰ القُلُوبَ وَعَلَّمَ الإنسانَا

[۱] وہ قوم جس کے دلوں کو اللہ نے چن لیا؛ تاکہ وہ ہدایت کے درخت کا باغ بنیں۔

[۲] نور کے حروف ان کے لبوں پر بوئے گئے اور ان سے خوشبو پھیل گئی، جو بیان کو روشن کرتی ہے۔

[۳] انہوں نے اللہ کی کتاب کو اپنے سروں پر بلند کیا؛ تاکہ یہ اندھیروں میں روشنی بنے اور ایسا ہی ہوا۔

[۴] سبحان اللہ! جس نے اپنے لوگوں کو انعامات دیے اور دلوں کو ہدایت دی اور انسانوں کو سکھایا۔

عشقِ رسالت مآب ﷺ اور اتباعِ سنت

انسان کو جس چیز سے وارفتگی کی حد تک عشق ہو، اس کا تذکرہ نہ صرف یہ کہ بے اختیار زبان پر آجاتا ہے، بلکہ وہ بار بار اس کا ذکر کر کے لطف اندوز ہوتا رہتا ہے۔ حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کو رسالت مآب ﷺ سے جو عشق و عقیدت تھی، وہ اس انتہاء تک پہنچی ہوئی تھی کہ آخر عمر میں ہر ملاقاتی کو رخصت کے وقت اس دعا سے نوازتے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو محبوب کبریا کا دیدار نصیب کرے! اس کے مبارک ہاتھوں سے جامِ کوثر پلادے! یہ دعا وہ کچھ اس نرالے انداز اور والہانہ کیفیت میں کرتے کہ بندہ اپنی قسمت پر رشک کرنے لگتا کہ کیا مبارک دعا ہے اور کس عظیم ہستی سے مل رہی ہے۔ اسی طرح فارسی کا ایک دعائیہ شعر بھی ان کی زبان مبارک سے ایسے مواقع پر نکلتا۔

به هر جا که باشی خدا یار تو
محمد همیشه شفا خواہے تو

یعنی: جہاں رہو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہوں اور محمد ﷺ تمہاری سفارش کرنے والے ہوں۔

آپ کے یومیہ معمولات میں تلاوتِ قرآن کریم اور مناجات مقبول کے ساتھ بارگاہ مصطفوی ﷺ میں بکثرت نذرانہ درود و سلام پیش کرنا بھی شامل تھا۔ دیار حبیب کی تڑپ اور عشق رسالت مآب ﷺ کی بدولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو تین بار حج اور ایک بار عمرے کی سعادت بخشی۔ پہلا حج 1985ء، دوسرا حج 2006ء، تیسرا حج 2012ء، عمرہ دسمبر 2017ء میں کیا، جہاں محبوب ﷺ کے قدموں میں پہنچ کر اس دور افتادہ عاشق زار نے دل کھول کر عرض حال بیان کیا ہوگا۔

ذرا خوش نصیبی دیکھیے کہ اس عاشق رسول کی وفات بھی ایک ایسے موقع پر ہوئی کہ ان کے فرزند ارجمند مولانا حماد اللہ صاحب عمرہ کے سلسلے میں سرزمین رسول میں موجود تھے اور وہاں اپنے والد گرامی قدر کا سلام عقیدت براہ راست ان کے محبوب ﷺ تک پہنچاتے رہے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدا بخشندہ نیست

مولانا ولی اللہ الحسنی صاحب رقم طراز ہیں کہ حضرت نانا جانؒ ہمیشہ سفید کپڑے اور سفید پگڑی پہنتے تھے۔ کتابوں کا درس بغیر وضو کے کبھی نہیں دیا۔ جب بھی مسند درس و تدریس پر بیٹھتے، تو پگڑی پہن لیتے تھے۔ ہمیشہ خوشبو استعمال کیا کرتے تھے۔ نمازوں کے اوقات میں خصوصًا خوشبو لگایا کرتے تھے۔ جب کوئی ساتھ ہوتا، تو اس کو بھی خوشبو لگایا کرتے تھے اور پھر شیخ سعدیؒ سے منسوب عشق مصطفی ﷺ سے بھرا خوبصورت شعر بھی پڑھتے۔ غالبًا وہ شعر کچھ اس طرح تھا۔

سنی منم کہ سعدی شیراز جائے من

مدح رسول گویم جانم معطر است

مالی معاملات میں احتیاط اور تقویٰ

مولانا مفتی عباد الرحمٰن صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت کو مدرسہ کے مالی معاملات میں بڑا احساس اور محتاط پایا ہے۔ ہر چیز کا صاف شفاف اور الگ حساب کتاب رکھتے تھے۔ ایک دفعہ مدرسہ کا کوئی آٹا گھر چلا گیا، تو مجھے حکم دیا کہ جا کر بازار میں ریٹ معلوم کرلیں۔ میں نے دو تین جگہ معلوم کیا، مختلف ریٹس ملے۔ جو ریٹ 20 روپے باقی ریٹوں کے مقابلے میں زیادہ تھا، اسی کے مطابق آپ نے ادائیگی کردی کہ اسی میں احتیاط ہے۔

حُسن اخلاق اور اصاغر نوازی

مولانا ابوانس ولی اللہ الحسنی صاحب آپ کے حسن اخلاق اور حسن برتاو کے بارے میں لکھتے ہیں کہ جس حیثیت کا بندہ ملنے آتا، خواہ وہ دولت مند ہوتا یا سرکاری افسر یا کوئی ریڑھی بان، مزدور کار ہوتا یا شہر ہی سے بنے سجے بیل باٹن شخص یا گاؤں سے سفری خستہ حالت شخص ہوتا، سب سے نہایت خندہ پیشانی سے ملتے۔ اس کو خوش آمدید کہتے۔ خوش آمد و بر آمد کے بعد سندھی میں کہتے: جی آئیں بھلی آئیں! پھر نہایت خوب صورت و دلچسپ بات سے گفتگو کا آغاز فرماتے کہ آپ نے اپنا دیدار کروایا۔ اللہ پاک آپ کو نبیؑ اور صحابہ کرامؓ کا دیدار کروادیں اور یہ جملہ بار بار دہراتے رہتے تھے۔

چونکہ راقم الحروف نے 40 سالہ زندگی کا بیشتر حصہ خاران سے باہر گزرا ہے۔ خاران میں

باقاعدہ اور مسلسل اقامت کے صرف تین سال نصیب ہوئے۔ جب دارالعلوم خاران میں مدرس تھا، اس دوران گاہے بگاہے حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ بڑی شفقت اور خورد نوازی کا معاملہ فرماتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے ایک دفعہ میں وفاق المدارس کے ممتحنین کا ایک وفد لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو شفقت کے ساتھ ساتھ ذرہ نوازی کا بھی کمال مظاہرہ فرمایا۔ ان کا یہ شفیقانہ رویہ دیکھ کر وہاں سے نکلنے کے بعد مستونگ والے مہمان مولانا نیاز محمد شاہ صاحب نے کہا کہ:

لگتا ہے کہ یہاں کے اکابرین بڑی قدر کی نگاہ سے آپ کو دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا: وہ کیسے؟ تو کہا: حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کا آپ کے ساتھ محبت و قدردانی کا تعلق جس کا آج ہم نے مشاہدہ کیا، وہ بڑا قابل رشک ہے۔

آخر عمر میں یادداشت کے مسائل کی وجہ سے ملاقاتیوں کو پہچاننا ذرا مشکل ہو گیا تھا، مگر ان کے داماد مکرم اور ہمارے محترم جناب قاری شمس الدین صاحب تعارف کرواتے تھے کہ فلاں بندہ تشریف لایا ہے، تو حسبِ سابق اور حسبِ معمول بڑی شفقت اور رحمت کا معاملہ فرماتے تھے۔

ہر دلعزیزی اور محبوبیت

اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ایمان و اعمال صالحہ اور پاکیزہ کردار سے راضی ہوتے ہیں، تو اس کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں بھی ڈال دیتے ہیں:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿۹۶﴾ (مریم:96) ترجمہ: بے شک! وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے، عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت پیدا کر دے گا۔

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کے محبوب خلائق ہونے کا بڑے رقت آمیز انداز میں مشاہدہ مجھے اس دن ہوا، جب ان کے مدرسہ کے استاد مولانا شفیق الرحمٰن خیر خواہ کی فرمائش پر مستورات کے ہفتہ وار اصلاحی بیان کے لیے مجھے حاضری دینی پڑی اور موقع کی مناسبت سے ”موت کی تیاری اور علماء سے استفادہ“ کے موضوع پر پون گھنٹہ بیان کیا۔ (جو اس رسالہ میں شامل

بھی ہے۔) دوران بیان جب میں نے یہ کہا کہ آج مدرسہ کے در و دیوار حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کے فراق پر اداس اور نوحہ کناں ہیں، تو پردے کے پیچھے سے خواتین کی آہوں اور سسکیوں کی آواز بلند ہوئی، میں بمشکلِ تمام خود کو قابو کر پایا۔ میں نے یہ بھی عرض کیا کہ یہ وہ محلہ ہے، جہاں کی صبح 40 سال درس قرآن کی صدائے دلربا کے ساتھ ہوتی تھی۔ اب ہمیشہ کے لیے یہ آواز خاموش ہوگئی ہے۔ اس پر ایک بوڑھی اماں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا: شہ مئے بخت ءِشُت، ہما پرے ندر نہ بوتاں کہ وہ ہمارے نصیب سے چلے گئے۔ کاش کہ زندگی میں اس کی قدر کرتے!

میں باہر نکلا، تو چند بڑی عمر کی خواتین میرا راستہ روکے کھڑی تھیں، آہیں بھر رہی تھیں۔ مجھ سے گفتگو کرتے ہوئے حضرتؒ سے اپنی عقیدت و نیاز مندی کا اظہار کر کے آبدیدہ ہو رہی تھیں۔ یہ تمام رقت آمیز مناظر اس بات کی گواہی دے رہے تھے کہ اس مرد قلندر کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے جو ہر دلعزیزی عطا فرمائی تھی، وہ اپنی مثال آپ تھی۔

عموماً دو چیزوں میں سنت نبوی سے ہٹ کر اگر غلو اور شدت اختیار کی جائے، تو لوگوں کے دلوں میں نفرت و کدورت پیدا ہوتی ہے۔ ایک سیاست، دوسرا مسلک۔ حضرتؒ نے دونوں چیزوں میں جو اعتدال و توازن برقرار رکھا تھا، اس سے آپ کو لوگوں میں ہر دلعزیزی اور محبوبیت مل گئی تھی۔

آپؒ نے بغیر کسی مداہنت کے توحید و سنت کی کھل کر اشاعت و تبلیغ کی، مگر یہ قرآنی اصول ہمیشہ پیش نظر رہا:

اُدۡعُ اِلٰی سَبِیۡلِ رَبِّکَ بِالۡحِکۡمَۃِ وَ الۡمَوۡعِظَۃِ الۡحَسَنَۃِ (النحل: 125) ترجمہ: اپنے رب کے راستے کی طرف حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بلاؤ!

چنانچہ آپ کے نرم لب و لہجہ اور خیر خواہانہ اندازِ گفتگو نے لوگوں کے دل جیت لئے۔ یوں خدا کا پیغام بھی واضح طور پر پہنچا اور لوگوں کے لیے کدورت و تنافر کا سبب بھی نہ بنا۔ یہ وہ باریک، حساس اور نازک حکمت عملی ہے کہ معمولی افراط و تفریط سے یا تو دین میں مداہنت کا سبب بنے گی یا لوگوں میں نفرت و کدورت کی آگ بھڑکنے کا ذریعہ بنے گی۔

حضرتؒ نے جس سلامتی فکر اور متوازن طرز عمل سے یہ دعوتی و دینی فریضہ سرانجام دیا، اس کا

نتیجہ ان کی زندگی میں یہی نکلا کہ آپ کی حیات طیبہ میں ہر جماعت اور ہر قسم کے لوگ آپ سے دعائیں لینے اور قدم بوسی کے لیے حاضر ہوتے تھے اور آپ کا "شجر قلندری" ہر ایک پر سایہ فگن ہوتا تھا۔ دوسرا نتیجہ آپ کی وفات کے بعد یہ ظاہر ہوا کہ بلا تمیز مسلکی اور سیاسی وابستگی کے ہر شعبہ حیات کے لوگوں نے آپ کی وفات کو دردناک انداز میں محسوس کیا اور جنازے میں بلا تفریق لوگوں کی شرکت اس بات کا شاہد عدل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محبوب بندے کی محبت عام و خاص کے دلوں میں ڈال دی تھی۔ رب تعالیٰ ان سے اگلے جہاں کے تمام منازل میں یہی رضا والا سلوک فرمائے۔ آمین!

شوقِ کتب بینی

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کا معمول تھا کہ مدارس کے سالانہ تعطیلات یعنی: شعبان و رمضان میں قرآن کریم کی تفسیر و ترجمہ کا دورہ کرواتے تھے۔ ملک بھر سے شائقین قرآنی علوم پروانہ وار ان کے پاس جمع ہو جاتے تھے۔ بہت سے ایسے طلباء بھی ہوتے کہ باوجود شدید رغبت اور شوقِ تفسیر کے وہ اتنی دور راولپنڈی جانے کی گنجائش نہ رکھتے تھے، تو ان کے لیے مولانا غلام اللہ خانؒ نے یہ ترتیب بنا رکھی تھی کہ مختلف شہروں میں اپنے جلسوں کے اندر اہل خیر کو توجہ دلاتے تھے کہ وہ ایسے طلبہ کی مالی اعانت کریں، جو دورۂ تفسیر میں آنے کے خواہش مند ہیں۔

سکھر کے ایسے ہی ایک پروگرام میں ایک صاحبِ خیر نے چند طلبہ کے کرائے و اخراجات کا ذمہ اٹھا لیا اور حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کو بھی بطور ایک طالب علم کے 30 روپے مل گئے۔ یہ 30 روپے لے کر حضرتؒ راولپنڈی حضرت شیخؒ کے پاس چلے گئے۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ان میں سے 15 روپے انہوں نے اپنے کرائے اور اخراجات کی مد میں رکھ لیے اور باقی 15 روپے سے اپنے ذوق مطالعہ کی تسکین کے لیے کتابیں خرید لیں۔ ظاہر ہے غربت اور پردیس کی اس کسمپرسی میں انہیں پیسوں کی زیادہ ضرورت ہوتی تھی، مگر شوقِ کتاب کی اپنی ہی ایک پر لطف بے چینی ہوتی ہے۔

تلامذہ کے جذبات

حضرت ابّا جی کی علمیت اور حیاتِ خانگی کے چند گوشے

تحریر: مولانا ابوانس ولی اللہ الحسنی

برادر مکرم، ہر دلعزیز شخصیت، لیکچرر اسلامیات آف بی آر سی، اوتھل، عظیم اسلامی اسکالر، مولانا محمود خارانی صاحب حفظہ اللہ کے حکم پر حضرت (ابجی) نانا جان مولانا محمد فقیر اللہ صاحب نوراللہ مرقدہ کے بارے میں کچھ کلمات نذر قارئین کرتا ہوں:

حضرت نانا جان نوراللہ مرقدہ کی تعزیت کے تیسرے دن سے کچھ لکھنا چا رہا تھا، لیکن فطری طور پر پریشانی اور صدمہ کے عالم میں ہونے کی وجہ سے نہ ہاتھوں کی انگلیاں ساتھ دے رہی تھیں، نہ ذہن کچھ لکھنے کے لیے الفاظ سمیٹ رہا تھا۔ اسی کشمکش میں تھا کہ مایہ ناز کالم نگار، برادر مکرم، مولانا محمود خارانی صاحب نے "فقیر عشقِ مصطفی صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم" کے عنوان سے نہایت بہترین انداز میں سات اقساط پر مشتمل حضرت نانا جانؒ کے حالات وواقعات، حصولِ تعلیم، دینی وملی خدمات پر مفصل روشنی ڈالی، تو عوام وخواص میں سے ہر طبقۂ فکر نے ان قیمتی اقساط کو بہت پسند کیا۔ اس سلسلے کی چند مزید اقساط بھی انہوں نے قلم بند کرلی ہیں، مگر سوشل میڈیا پر نشر نہیں کیں۔ جزاہ اللہ خیرا في الدارین!

چونکہ میں بچپن سے تقریبًا 36 سال کی عمر تک اپنے پیارے نانا جانؒ کے سایۂ شفقت میں رہا ہوں۔ ان کی شاندار زندگی کے ہر پہلو سے واقفیت ہے۔ حضرت نانا جانؒ کے آخری 45 سال خاران میں خاص دین حنیف کی خدمت میں گزرے۔ وہ خاران کے ہر عام وخاص کے سامنے ایک

کھلی کتاب کی طرح ہیں۔ میں نے سفر و حضر، مدرسہ و گھر، مسجد و بازار، دیہات و دیار ہر جگہ ان کی زندگی کو ورع و تقویٰ سے لبریز، سنت نبوی ﷺ سے مزین پایا۔ زندگی بھر کبھی فحش گفتگو ان کی زبان سے نہیں سنی۔ اکابرین کا اسوہ گواہ ہے اور یہ تجربے کی بات ہے کہ جو شخص سنتوں کا اہتمام کرتا ہے، قدرتی طور پر وہ انتہائی سنجیدہ اور باوقار ہوتا ہے۔ یہی ورع و تقویٰ، سنجیدہ پن، باوقار، خوش گپ، ملنسار، مہمان نواز ہونا حضرتؒ کا وہ خوب صورت اور دلکش عکس تھا، جو ہر عام وخاص کے دلوں میں رہتا تھا۔ اکابرین امت اور اپنے شیوخ و اساتذہ سے بے حد محبت کرتے تھے۔ ہمیشہ ان کا ذکر خیر فرمایا کرتے۔

بچوں کے لیے وہ دعائیہ کلمات پیش فرماتے، جو نبیؐ نے اپنے پیارے چچاجان حضرت عباسؓ کے فرزند رئیس المفسرین سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کے لیے ارشاد فرمائے تھے۔ یعنی: اللّٰھم فقھه في الدين! کہ اللہ پاک آپ کو دین کی سمجھ بوجھ عطا فرمائیں اور اللہ پاک آپ کو عالم ربانی بنادیں!

اچھا! صرف دعائیہ کلمات پر اکتفاء نہ کرتے، بلکہ بچے کے چہرہ پر مسکراہٹ بکھیرنے کے لیے ہاتھ میں پانچ دس روپے تھما دیتے تھے اور خاص کر روزانہ صبح کے وقت اور بعد از ظہر نواسہ، نواسیوں، پڑنواسہ، پڑنواسیوں، پوتے، پوتیوں یا رشتہ دار بچوں، جن کو پتہ تھا کہ (ابجی) اس وقت خرچی دیا کرتے ہیں، تو وہ پہنچ جاتے، ان سب کو دس دس روپے جیب خرچی دیا کرتے تھے۔

میرے والد محترم حافظ شمس الدین صاحب چونکہ حضرت ناناجانؒ کے خالہ زاد ہونے کے ساتھ ساتھ داماد بھی ہیں۔ بچپن سے حضرت ناناجانؒ کے ساتھ تھے۔ زمانۂ طالب علمی سے لے کر تجہیز و تکفین تک اپنے دعاگو استاذ و سسر کی خدمت کرتے رہے اور ان کی نیک دعائیں سمیٹتے رہے۔ حضرت ناناجانؒ اور والد صاحب کے درمیان ایک لازوال محبت کی فضاء قائم تھی۔ ایسی وفادار اور لازوال محبت کو میں الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ حضرت ناناجان نوراللہ مرقدہ تقریباً 15 ماہ کی عمر میں یتیم ہو چکے تھے اور پھر یتیمی کی جن تکالیف میں انہوں نے بچپن گزارا ہے، وہ باتیں دل جگر کو ہی پارہ پارہ کر دیتی ہیں۔ اس وجہ سے وہ بچوں سے بے انتہاء پیار کرتے تھے، حالانکہ میں نے ان کی زبان سے کسی کے سامنے اپنے بچپن کی شکایات کبھی نہیں سنیں۔ وقتاً فوقتاً

دوسروں سے سنتے رہتے تھے۔ صبرواستقامت کا یہ پہاڑ جب علمِ دین کے حصول کے لیے نکلتا ہے، تو اللہ رب العالمین اپنی کرم نوازی اور توفیق سے ہر مشکل آسان فرمادیتے ہیں اور واقعتًا جب بندہ اللہ پاک کی طرف نکلتا ہے، تو اللہ پاک اس کے لیے ہر مشکل کو آسان فرمادیتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ دل کی تختی پر چمک اٹھتا ہے:

وَ الَّذِیۡنَ جَاهَدُوۡا فِیۡنَا لَنَهۡدِیَنَّهُمۡ سُبُلَنَا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۶۹﴾ (العنکبوت: 69) ترجمہ: اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں اٹھاتے ہیں، البتہ ہم ضرور ان کو راہ دکھاتے ہیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نیکو کاروں کا ساتھی ہے۔

بخوبی یاد ہے کہ سن 2003ء تک جب بحالت صحت تھے، تو اپنے گھریلو کام کاج خود انجام دیا کرتے تھے اور خاص کر اپنے داداجان سے ملی ہوئی اونٹنی کی نسل جواب بھی چل رہی ہے (چونکہ حضرت ناناجانؒ کو اونٹ اور اونٹنی بہت پسند تھے، گھر میں اونٹنی باندھی ہوئی ہوتی تھی۔) اس کے پانی چارے کا خود خیال رکھتے تھے۔ اس کے علاوہ آخر دم تک مدرسہ کے تمام امور کی نگرانی خود فرمایا کرتے تھے۔ جب بھی ہم کسی مشکل میں پھنستے، تو حضرت کی بابرکت دعاؤں اور قیمتی نصائح سے بھرپور فائدہ اٹھاکر آسانی سے نکل جاتے۔ اللہ پاک نے دین اسلام کی ان سے وہ مقبول خدمات لیں کہ ان کے سانحۂ ارتحال سے ہر آنکھ اشکبار، ہر دل بے قرار اور ہر مرد وزن اپنے آپ کو یتیم سمجھنے لگے۔ تنازعات اور شورش سے پاک ایسی کامیاب زندگی اللہ پاک ہم سب کو نصیب فرمائیں۔ حضرت ناناجانؒ کی کروٹ کروٹ کامل مغفرت فرمائیں۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں۔ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین!

متقی اور خوش اخلاق عالم دین کی رحلت

تحریر: میر نثار احمد بزمی

کائنات کی سب سے یقینی چیز موت ہے۔ جو شخص بھی دنیا میں آیا ہے، وہ جانے کے لیے آیا

ہے۔ہمیشہ کی زندگی اس فانی دنیا میں کسی کو نہیں دی گئی۔ ہر شخص کا وقت مقرر اور اجل متعیّن ہے۔ جب وقت آجاتا ہے، تو انسان چاہے یا نہ چاہے، اسے دنیا سے رخصت ہونا پڑتا ہے۔ آج حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کی رحلت ایسے معلوم ہوتی ہے کہ جیسے تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ گیا ہے یا درخت کے پتے خزاں رسیدہ ہوگئے ہیں۔ علماءِ حق کے دنیا سے چلے جانے سے امت کا بڑا نقصان ہوتا ہے۔عالم کی موت اسلام میں ایک ایسا رخنہ ہے کہ گردش لیل ونہار بھی پُر نہیں کرسکتے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مرکزی جامع مسجد کے مہتمم حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ انتقال کرگئے۔ نماز جنازہ میں ہزاروں افراد کی شرکت۔

نواب آف خاران امیر حبیب اللہ خان نوشیروانی کے 1920ء سے 1930ء کے درمیان میں تعمیر کردہ قدیمی مدرسہ مرکزی جامع مسجد خاران کے مہتمم اور ممتاز ترین وبزرگ عالم دین حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کی عمر 93 سال تھی۔ آپ نہایت متقی، پرہیزگار، خوش اخلاق عالم دین اور نیک سیرت ونیک طینت انسان تھے۔ ان کی وفات سے خاران بجا طور پر ایک انتہائی ممتاز عالم باعمل سے محروم ہوگیا ہے اور علمی دینی حلقے ایک محقق عالم دین سے محروم ہوگئے ہیں۔

مرحوم نے ساری عمر دین اسلام کی اشاعت کے لیے گزاری۔ ان کی دینی وملی خدمات مدتوں یاد رہیں گی۔ مرحوم 45 سال مرکزی جامع مسجد کے مہتمم کے منصب پر فائز رہے۔ خود بھی تمام زندگی باقاعدگی کے ساتھ قرآن وحدیث کا درس دیتے رہے اور کتب احادیث کے اسباق پڑھاتے رہے۔ تمام اساتذہ وطلباء سمیت تمام شعبہ ہائے زندگی سے وابستہ ہزاروں افراد نے نماز جنازہ میں شرکت کی۔ لوگوں کی بے انتہاء تعداد کی وجہ سے قبرستان مغربی جانب خالی میدان پر پڑھائی گئی۔ مرحوم کو مقامی قبرستان میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کردیا گیا۔

الوداع !اے استاد محترم!

تحریر: مولانا فضل اللہ شاہوانی

گزشتہ کل فقیہ العصر، عالم ربانی، مشفق و مربی، خاران میں رواداری اور عجز و انکساری کے پیکر، خاران کے چشم اور چراغِ روشن حضرت علامہ مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کی وفات کی خبر سن کر بس دماغ سن ہو گیا۔ حواس کھو گیا اور بے ساختہ دل سے یہ کلمات ادا ہوئے کہ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اور ساتھ یہ کلمات بھی دل و دماغ میں گردش کرنے لگے کہ۔

روٹھا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی
ایک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا!

یقیناً وہ علم کا سمندر تھے۔ عاجزی و انکساری کے پیکر تھے۔ خاران میں تمام مکاتب فکر کے متفقہ رہنما تھے۔ اپنے کام خاموشی سے کرتے تھے۔ کسی بھی مسلکی یا قومی جھگڑوں سے دور رہتے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے جنازہ میں تمام مکاتب فکر کے علماء کو دیکھا۔ پہلی مرتبہ مجھے اپنے استاد کے جنازے میں بریلوی مکتبۂ فکر کے نامور علماء دکھائی دیے۔ اہلحدیث مکتبۂ فکر کے جید علماء، سپاہ صحابہؓ کے تمام رہنما اور جمعیت علماء اسلام کے سابقہ و موجودہ رہنما موجود تھے۔ سرکاری افسران اور دیگر مکتبۂ فکر کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں شریک ہوئے۔ یہ ان کی متانت، رواداری، خاموشی کے ساتھ خدمت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ ہر آنکھ اشک بار تھی، ہر شخص سوگوار تھا۔ ان کی حقیقی اولاد سے زیادہ ان کے شاگرد غم زدہ تھے؛ کیونکہ قلندر اور وقت کے ولی آج رخت سفر باندھ چکے تھے۔ سلسلہ ہالیجوی کے امین میرے استاد سارے شہر کو واقعی ویران کر گئے۔ آج بھی ان کا درسِ قرآن صبح کی پہلی ساعت میں کانوں کے اندر گونجتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ ان کے مرگ ناگہاں کا ابھی تلک یقین

نہیں آرہا۔ ان کے جمعہ کی تقریر اب تک محسوس ہوتی ہے۔ وہ زبردست مدرس تھے۔ زندگی بھر درس وتدریس میں دین کی خدمت کرتے رہے۔ وہ بریا روڈ سندھ میں امامت وخطابت اور درس وتدریس میں مگن تھے۔ جب وقت کے مدبر مولانا عبدالزراق صاحب بانی دارالعلوم اول ان کو اور مولانا محمد عظیم صاحب زردوالے کو سندھ سے خاران لائے اور دارالعلوم خاران کے مدرس کے طور پر رکھا اور پھر وقت بدل گیا۔ دارالعلوم میں تدریس کے ساتھ مولانا نے والئ خاران کی مرکزی جامع مسجد میں امامت وخطابت شروع کی اور پھر سرکاری امام بھرتی ہوئے۔ اس مسجد کے احاطے میں عظیم الشان مدرسہ تعمیر کیا اور اس کی تعمیر وترقی میں اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کردیں۔

وہ وقت کے ولی تھے۔ ان کے مزاج میں حضرت ہالیجویؒ کی روح موجود تھی۔ آخری عمر میں ضعف، کمزوری اور بیماری کی وجہ سے نقل وحرکت گھر اور مدرسہ تک محدود تھی۔ وہ خوش اخلاق وباکردار تھے۔ مزاج میں نرمی تھی۔ اکثر بڑے سرکاری عہدوں پر فائز افسران ان کی خدمت میں آتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔ میں نے نحو میر اور ارشاد الصرف ان سے پڑھی اور بہت کچھ ان سے سیکھا۔ مولانا حماد اللہ صاحب ان کے حقیقی وارث اور مرکزی جامع مسجد کے خطیب ہیں۔ رواداری اور متانت میں باپ کی حقیقی تصویر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو حضرتؒ کے حقیقی وارث کے طور پر ترقی دیں! ان کے نواسہ مولانا ولی اللہ الحسنی نوجوان اور باصلاحیت ہے، وہ بھی مولاناؒ کے وارث ہیں۔ اللہ رب العزت ان کو بھی حضرتؒ جیسے کمالات سے نوازیں! ان کی دیگر اولاد بھی بہترین ہے۔ شرافت ان میں رچ بس گئی ہے۔

موت کی فکر و تیاری اور علماءِ کرام سے استفادہ

(طالبات اور عام خواتین کے اجتماع سے خطاب)

خطاب

پروفیسر مولانا محمود خارانی

تاریخ: 5 جمادی الاولیٰ 1446ھ/6 نومبر 2024ء، بروز بدھ، صبح نو بجے

مقام: جامعہ عائشہ صدیقہ للبنات، مدرسہ عربیہ تعلیم القرآن، مرکزی جامع مسجد خاران

ضبط و اہتمام

مولانا ابوانس ولی اللہ الحسنی

ناظم تعلیمات مدرسہ ھٰذا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِينُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ. أَمَّا بعدُ!

أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾ (آل عمران: 185)

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ. اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى آلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى إِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى آلِ إِبْرَاهِيْمَ إِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ.

عزت مآب اور باپردہ ماؤں اور بہنو!

قرآن کریم کی سورۂ آل عمران سے ایک آیت آپ کی خدمت میں تلاوت کی گئی، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ اس دنیا میں جو بھی آیا ہے، ایک دن اسے مرنا ہے اور موت کا ذائقہ اسے چکھنا ہے اور جو عمل آپ نے اس دنیا میں کیا ہے، اس کا بدلہ تمہیں روز قیامت ملے گا اور قیامت کے دن جو شخص جہنم سے بچ گیا اور جنت میں داخل کیا گیا، تو وہی اصل میں کامیاب ہوگیا اور اس دنیا میں جو زندگی گزار رہے ہو، یہ صرف دھوکہ کی ایک زندگی ہے۔ اس کی چیزوں، خوشیوں اور رنگینیوں کو جب انسان دیکھتا ہے، تو وہ دھوکہ میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ یہ دنیا کی زندگی دھوکہ کی ایک زندگی ہے، اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے۔

حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کی جدائی کا صدمہ

چونکہ آج آپ لوگوں کے مدرسہ کے در ودیوار غم زدہ ہیں؛ اس وجہ سے کہ اس کے اوپر حضرت مولانا فقیر اللہ صاحبؒ کی صورت میں جو مبارک سایہ قائم تھا، وہ سایہ ایک ہفتہ پہلے اٹھ گیا ہے اور یہ اساتذہ، استانیاں، طلبہ اور طالبات اس سایہ سے محروم ہوکر دھوپ پر بیٹھ گئے ہیں اور اس مدرسہ میں خیر وبرکت کا جو ذریعہ تھا، سب کے لیے جو دعا گو ذات اور شخصیت تھی، اس نے اب یہ دھوکہ والی دنیا چھوڑ دی ہے اور اصل زندگی اور ٹھکانے کی طرف چلے گئے ہے۔ ان کی جدائی سے اساتذہ اور طلبہ، محلہ کے مقتدی اور ان کے مریدین ومعتقدین سب غم زدہ ہیں اور اس درد کو محسوس کررہے ہیں۔

پی گئی کتنوں کا لہو تیری یاد
غم تیرا کتنے کلیجے کھا گیا

موت ایک ایسی حقیقت ہے کہ انسان چاہے کتنی بڑی حیثیت رکھتا ہو، اس پر ایک دن موت آنی ہی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پوری کائنات میں وہی ذات اور شخصیت کہلاتی ہے کہ حضرت آدمؑ سے لے کر قیامت کے آخری انسان تک سب میں ان کی حیثیت، شخصیت، مقام اور رتبہ بلند و

بالا ہے، لیکن وہ بھی موت سے بچ نہ پائے۔ ان پر بھی ایک دن موت واقع ہوگئی، تو جناب نبی کریم ﷺ کے بعد چاہے جیسی بھی شخصیت یا ذات ہو، عالم، بزرگ، ولی، قطب یا ابدال کیوں نہ ہو، وہ موت سے بچ نہیں سکتا۔ اس پر موت ضرور ایک دن آئے گی؛ لہٰذا بحیثیت مسلمان ہمیں اور آپ کو یہ صدمہ اور غم برداشت کرنا ہوگا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نظام ہے۔ کائنات چلانے کی یہی ترتیب ہے کہ جو بھی آئے گا، ایک دن اسے ضرور واپس جانا ہے اور اس کے جانے کے ساتھ ساتھ ہمیں اور آپ کو بھی ایک دن وہیں جانا ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں یہ تعلیم آئی ہے کہ کسی کی موت کی خبر ملے، تو یہ کہنا چاہیے إنا لله وإنا اليه راجعون! یعنی: ہم سب صرف اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم سب ایک دن واپس اسی کی طرف جانے والے ہیں۔ یعنی: یہ نہیں ہو سکتا کہ میں نہ مروں گا، نہ خود کو مرنے دوں گا، فرشتے سے خود کو چھپادوں گا۔ کوئی نہیں چھپ سکتا۔ ارشاد ربانی ہے:

اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ (النساء:78) ترجمہ: تم جہاں کہیں بھی ہوگے، موت تمہیں ضرور پکڑ لے گی، اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔

موت ایک ناقابل انکار حقیقت

موت وہ عالمگیر حقیقت ہے کہ جس کا انکار کوئی بھی نہیں کرسکا ہے۔ دنیا میں کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے کہ انہوں نے انبیاء کرام کا انکار کیا کہ یہ جھوٹ بولتے ہیں، نبی نہیں ہیں۔ کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے آسمانی کتابوں کا انکار کیا کہ یہ قرآن کریم کے نام سے جو آسمانی کتاب لائی گئی ہے، یہ جھوٹ ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بھیجا نہیں ہے۔ تورات، زبور، انجیل کوئی کتاب آسمان سے نہیں اتری ہے۔ یہ انسانوں نے خود بنائے ہیں؛ لہٰذا ان آسمانی کتابوں کا ان لوگوں نے انکار کیا۔ کچھ لوگ ایسے بھی پیدا ہوئے، جنہوں نے جنت اور جہنم کے وجود کا انکار کیا۔ یہ کہہ کر کہ مُلّا لوگ جو کہتے ہیں کہ نیک اعمال کروگے، تو جنت جاؤ گے اور برے اعمال کروگے، تو جہنم جاؤ گے۔ یہ جنت اور جہنم کا وجود ہی نہیں۔ یہ مُلّا لوگ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں۔ یوں ان لوگوں نے جنت اور جہنم کے وجود کا انکار کیا۔ حیرت انگیز بات یہ کہ کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے، جنہوں

نے اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھی انکار کیا اور اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود نہیں ہے۔ نعوذ باللہ! یہ کائنات خود بخود چل رہی ہے اور انسان خود بخود پیدا ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔ ایسے بے خوف اور بے عقل لوگ اب بھی دنیا میں موجود ہیں، جو اللہ کو نہیں مانتے کہ اللہ موجود نہیں ہے۔

لیکن ابھی تک پوری انسانی تاریخ میں کسی ماں نے کوئی ایسا بچہ جنا ہی نہیں ہے، جو بڑے ہو کر موت کا انکار کرے کہ موت نہیں ہے۔ اسی شخص سے اگر پوچھا جائے کہ موت ہے یا نہیں، تو مان لیتا ہے کہ موت ہے، موت کا انکار نہیں کر سکتا۔ ابھی تک ایسے اسباب پیدا نہیں ہو سکے ہیں۔ ڈاکٹر بھی ایسے اسباب اور آلات پیدا نہیں کر سکے، جو انسان کو موت سے بچا سکیں۔ سائنسدان بھی ابھی تک ایسی ٹیکنالوجی یا چیز متعارف نہیں کروا پائے ہیں کہ انسان جس میں خود کو بند کر کے موت سے بچا پائے۔ اس وجہ سے موت کا انکار کسی نے بھی نہیں کیا ہے۔ جو بھی انسان ہو، اسے موت پر پورا یقین ہے کہ ایک دن مرنا ہے، تو اتنی یقینی ہونے کے باوجود انسان اسی موت سے بے خبر، غافل اور بے پرواہ ہے اور اس کی یاد اسے نہیں آتی۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا:

أكثروا ذكر هاذم اللذات يعني: الموت. (سنن ابن ماجہ، ح: 4258) ترجمہ: لذتوں کو توڑنے والی (یعنی: موت) کو کثرت سے یاد کیا کرو!

یعنی: جتنا بھی تمہارے بس میں ہو، اس چیز کا زیادہ تذکرہ کرو، جو دنیاوی لذتوں کو ختم کرنے والی ہے اور وہ ہے موت کی یاد۔ اگر کسی کے دل و دماغ پر شب و روز موت کی یاد سوار ہو اور ہر وقت اسے موت کا غم ہو، تو اسے دنیا کی زندگی میں لطف و مزہ اور خوشی بہت کم محسوس ہوتی ہے۔ جیسی بھی لذت ہو، وہ اس کے منہ میں تلخ ہوگی اس خیال سے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے۔ جیسی بھی خوشی ہو، وہ اس کے دل و دماغ میں زیادہ ٹھہر نہیں سکتی؛ اس لیے کہ مجھے ایک دن مرنا ہے، تو اس کو کہتے ہیں لذتوں کو ختم کرنے والی چیز، جس کا حکم آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دیا کہ تم لوگ اس چیز کو زیادہ یاد کیا کرو، جو انسان کی لذتوں کا خاتمہ کرنے والی ہے، یعنی: موت کو۔

ابن سیرینؒ اور ابراہیم تیمیؒ کی فکر موت

ہمارے اسلاف و اکابرین ہر وقت موت کے بارے میں فکر مند رہتے تھے۔ حضرت ابن سیرینؒ ایک بزرگ گزرے ہیں، جو طالبات اور اہل علم ہیں، وہ بخوبی ان سے واقف ہیں کہ تعبیر رویا کے علم میں یہ بہت ہی ماہر اور مایہ ناز بزرگ تھے۔ ان کی کیفیت یہ تھی کہ اگر ان کے پاس کوئی وعظ و بیان کرتا یا ویسے ہی موت کا کوئی تذکرہ کیا جاتا کہ فلاں بندہ مر گیا ہے، تو ان کی حالت یہ ہوتی کہ إذا ذكر عنده الموت مات كل عضو منه ترجمہ: جب ان کے سامنے موت کا تذکرہ ہوتا، تو ان کے بدن کا ہر عضو مر جاتا۔

یعنی: اتنا خوفزدہ ہو جاتے کہ ان کے بدن کا ہر عضو شل ہو جاتا۔ ہاتھ پاؤں سوکھ جاتے اس خوف سے کہ ایک دن مجھے بھی مر جانا ہے۔

ابراہیم تیمیؒ ایک اور جلیل القدر بزرگ ہیں فرماتے ہیں کہ شيئان قطعا عني لذة الدنيا: ذكر الموت والوقوف بين يدي الله تعالىٰ. ترجمہ: مجھ سے دنیوی لذتوں کو دو چیزوں نے دور کر دیا ہے: موت کی یاد اور اللہ کے سامنے کھڑے ہونے کے خیال نے۔

یعنی: جب بھی مجھے ان کا خیال آتا ہے، تو دنیا کی ہر قسم کی لذت مجھ سے ختم ہو جاتی ہے، چاہے خوشی ہو، مسرت کی لذت ہو یا طعام و خوراک کی لذت ہو، چاہے حسین نظاروں کی لذت ہو، کوئی بھی لذت ہو، ان چیزوں کا خیال آتے ہی وہ لذت اکثر ختم ہو جاتی ہے۔ وہ دونوں چیز کیا ہیں؟ موت کی یاد اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونے کی فکر۔ دراصل یہ جنتی ہونے کی علامت ہے کہ کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے۔ اگر کسی کے دل میں یہ خوف موجود ہو کہ ایک دن اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہونا ہے، تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کا ٹھکانہ اور مقام جنت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴿۴۱﴾ (النازعات: 40، 41) ترجمہ: جو اپنے رب کے حضور کھڑے ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہش

سے روکا، تو بے شک جنّت ہی ٹھکانا ہے۔

عمر بن عبد العزیزؒ اور مجلس موت کا انعقاد

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سلف میں سے ایک عظیم بزرگ گزرے ہیں۔ اموی خلفاء میں عادل بادشاہ تھے۔ دن کو امور سلطنت انجام دیتے تھے۔ دفتری معاملات اور عوامی کام و مصروفیات ہوتی تھیں۔ انصاف کے فیصلے اور مظلوموں کی دادرسی کرتے تھے اور رات کا یہ عالم ہوتا تھا کہ:

کان یجمع کل لیلۃ الفقھاء فیتذاکرون الموت والقیامۃ والآخرۃ ثم یبکون حتی کأن بین أیدیھم جنازۃ. (مکاشفہ) ترجمہ: وہ ہر رات علماء اور فقہاء کو جمع کرتے، پھر وہ موت، قیامت اور آخرت پر گفتگو کرتے اور اتنا روتے کہ ایسا لگتا، جیسے ان کے سامنے کوئی جنازہ رکھا ہو۔

گویا علماء کی یہ مجلس موت و آخرت کی یاد کی ایک مجلس ہوتی تھی اور اسی مقصد کے لیے یہ مجلس منعقد ہوتی تھی۔ یہ اس دور کے علماء تھے، بادشاہ تھے، افراد تھے، اہل خانہ تھے اور بیوی بچوں کا ماحول تھا کہ ان کی راتوں کی مجلسیں موت کے تذکرے پر مشتمل ہوتی تھیں اور اب تو ماشاء اللہ! ہماری رات کی مجلسیں ہیں کہ رات کو کھانا کھاتے ہی موبائل میں لگ جاتے ہیں۔ گھر کے اندر کسی بچے کے پاس موبائل ہو یا بڑے بھائی کے پاس ہو یا بڑے لڑکے کے پاس ہو یا شوہر کے پاس ہو، اس سے خواتین مطالبہ کرتی ہیں، لاؤ! ہمیں دکھاؤ! آج نیا کیا آیا ہے؟ ڈرامہ سیریل دیکھنا شروع کرتے ہیں۔ رات کے گھنٹوں کے گھنٹے اس موبائل میں ضائع ہوتے ہیں، تو ایسے آدمی کو موت کی فکر کہاں سے لاحق ہوگی؟ آخرت کا غم کب پیدا ہوگا؟ قیامت کا خوف کیسے دل و دماغ پر سوار ہوگا؟ ایسا عادل بادشاہ ہونے کے باوجود موت کی فکر اور آخرت کے خوف کا یہ عالم ہے کہ رات کو اپنی بیٹھک میں علماء کرام کو بلاتے ہیں اور موت و آخرت کا تذکرہ کروایا جاتا ہے اور اس مجلس میں وہ اتنا روتے تھے کہ گویا ان کے سامنے کوئی میت پڑی ہوئی ہے، جیسے کسی میت پر رویا جاتا ہے، حالانکہ ان میں سے ہر ایک اپنے بدن اور وجود کے لیے رو رہا ہوتا تھا۔ یہ خوف کا عالم تھا، موت کا غم تھا، موت کی فکر تھی کہ ان پر یہ حالت طاری ہوتی تھی۔ اس طرح پریشان اور فکرمند ہوتے تھے۔

موت کے خوف سے سیدنا داؤدؑ کی تشویش ناک حالت

سیدنا داؤدؑ ایک مشہور پیغمبر ہیں، ان کے بارے میں آتا ہے کہ إذا ذکر الموت والقیامة یبکي حتی تنخلع أوصاله فإذا ذکر الرحمة رجعت إلیه نفسه. (مکاشفہ) ترجمہ: جب ان کے سامنے موت اور قیامت کا ذکر ہوتا، تو وہ اتنا روتے کہ ان کے جسم کے جوڑ تک ٹوٹ جاتے اور جب رحمت کا ذکر آتا، تو ان کی روح واپس آجاتی۔

یعنی: جب ان کے سامنے موت اور قیامت کا تذکرہ ہوتا، تو اتنا روتے کہ ان کے بدن کے جوڑ جوڑ ہل جاتے تھے اور ایک لاش کی طرح پڑے رہتے، نہ ہاتھوں کے جوڑ کام کرتے، نہ پاؤں کے جوڑ، نہ کمر کام کرتی، نہ کوئی اور چیز حرکت کرتی۔ جب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ذکر ہونے لگتا کہ وہ اس طرح کی مہربان ذات ہے، جو بندوں کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اگر کسی نے نافرمانی کی ہے، توبہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر کے گناہ معاف کرتے ہیں۔ اس طرح کی تسلی والی باتیں سن کر ان کی سانس بحال ہو جاتی۔

جانوروں کو اگر موت کی فکر ہوتی، تو۔۔۔

موت کا غم وہ غم اور فکر ہے کہ اگر اس کی خبر حیوانات کو ہوتی کہ ایک دن ہمیں بھی مرنا ہے، تو وہ اس غم سے موٹے ہی نہ ہو پاتے۔ حضرت اُم حبیبہؓ ایک بزرگ صحابیہ ہیں۔ حدیث روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لو تعلم البهائم من الموت ما یعلم ابن ادم لما أکلتم منها سمینا. (أخرجه البیهقي في شعب الإیمان) ترجمہ: اگر جانوروں کو موت کے بارے میں وہ علم ہوتا، جو ابن آدم کو ہے، تو تم ان میں سے کوئی بھی موٹا تازہ جانور نہ کھاتے۔ (احیاء علوم الدین)

یعنی: موت کے غم اور فکر کی وجہ سے یہ بکرے، دنبے، گائے اور اونٹ اتنے لاغر ہو جاتے کہ ان کے بدن کا گوشت جھڑ جاتا۔ صرف ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ باقی رہ جاتا اور تمہیں کوئی ایسا جانور ہی نہ ملتا، جو فربہ اور موٹا ہو کہ جس کے گوشت تم مزے سے کھا لیتے۔ یہ جانوروں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اگر انہیں خبر ہوتی موت کی، تو وہ غم زدہ ہو جاتے اور فکر مند و پریشان ہو جاتے۔

ربیع ابن ہیثمؒ کا اپنی خود ساختہ قبر میں روزانہ لیٹنا

ربیع ابن ہیثمؒ کو موت کی تیاری کا عجیب اہتمام اس طرح تھا کہ اپنی چار دیواری کے اندر ایک قبر کھودی ہوئی تھی۔ (ہم لوگ اگر گھر میں قبر کا صرف نام لے لیں، تو لوگوں کو خوف کی وجہ سے شک پیدا ہونے لگتا ہے کہ یہ کس طرح کی منحوس باتیں کرنے لگا ہے۔ انہوں نے اپنے لیے خود گھر میں قبر بنائی تھی۔) اس قبر میں روزانہ کئی دفعہ لیٹ جاتے تھے۔ اس عمل کے ذریعے ان کا مقصد یہ تھا کہ موت نہ بھلا پاؤں، یعنی: یہ بات کہ جب میں اس قبر میں لیٹ جاتا ہوں، تو موت مجھے یاد آجاتی ہے کہ آج میں زندہ حالت میں اس کے اندر لیٹا ہوا ہوں۔ ایک دن مجھے مردہ حالت میں اس کے اندر اگر سو جانا ہے۔ اس کے لیے مجھے تیاری کرنی ہے۔ پھر فرماتے تھے کہ لو فارق ذكر الموت قلبي ساعة واحدة لفسد. (مکاشفہ القلوب) ترجمہ: اگر میرا دل موت کی یاد سے صرف ایک ساعت کے لیے غافل ہو جائے، تو یہ دل بیمار پڑ جاتا ہے۔

ظاہر ہے کہ بیمار دل کو جنت میں تو جگہ نہیں مل سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ معاصی اور کفر و شرک کی بیماریوں میں مبتلا دل کے لیے جنت میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ فرمان ربانی ہے:

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۹﴾ (الشعراء:88،89)

ترجمہ: جس دن نہ مال کام آئے گا، نہ بیٹے، مگر وہ جو اللہ کے حضور حاضر ہوا سلامت دل لے کر۔

تو ایسے بیمار دل کا علاج موت کی یاد ہے۔ ربیع ابن ہیثمؒ نے یہی طریقہ اپنایا تھا، جو قبر اپنے لیے بنائی تھی، اسی میں روزانہ جا کر لیٹتے تھے؛ تاکہ موت سے غافل ہو کر دل مردہ نہ ہو جائے۔

رسول اللہ ﷺ پر حالت نزع کی کیفیت

جناب رسول اللہ ﷺ ایک دن ایک ایسے بیمار کے پاس تشریف لائے، جو مرض الموت میں مبتلا تھا۔ آپ ﷺ نے اس کے پاس بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ إني لأعلم ما يلقى ما فيه عرق إلا وهو يألم بالموت على حدته. ترجمہ: میں جانتا ہوں کہ اسے ہر رگ میں جو الگ الگ تکلیف محسوس ہوتی ہے، موت کی شدت کی وجہ سے ہوتی ہے۔

ہم باقی لوگوں کے احوال تو چھوڑ دیں، جناب رسول اللہ ﷺ کے اپنے بارے میں جو احوال آتے ہیں، وہ ذرا ملاحظہ کریں! سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:

إن رسول الله ﷺ كان بين يديه علبة فيها ماء فجعل يدخل يديه في الماء فيمسح بهما وجهه ويقول لا إله إلا الله إن للموت لسكرات ثم نصب يديه فجعل يقول إلى الرفيق الأعلى حتى قبض. ترجمہ: آپ ﷺ کے سامنے ایک برتن میں پانی رکھا ہوا تھا، آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اس پانی میں ڈبوئے اور پھر اپنے چہرے پر ملنے لگے اور فرمایا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، یقیناً موت کی تکلیف بہت شدید ہوتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اعلیٰ رفیق کی طرف اور اسی دوران آپ کی روح پرواز کر گئی۔

صحیح بخاری میں ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کی حالت بہت بگڑ گئی، تو حضرت فاطمہؓ نے کہا:

واكرب أبتاه! فقال ﷺ لا كرب على أبيك بعد اليوم. ترجمہ: اے میرے والد! کتنی بڑی تکلیف ہے! تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد تیرے والد پر کوئی تکلیف نہیں آئے گی۔

اس سے ہم اندازہ لگائیں کہ موت کتنی تکلیف دہ ہے اور کتنی سخت اور غم کی چیز ہے۔

آرے سے چیرنا، قینچی سے کاٹنا، ابلتی دیگچی میں ڈالنا

شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں:

الموت أفظع هول في الدنيا والآخرة على المؤمن وهو أشد من نشر بالمناشير وقرض بالمقاريض وغلي في القدور. ترجمہ: موت دنیا و آخرت میں ایمان والے کے لیے سب سے بھیانک خوف ہے اور یہ آری سے چیر ڈالنے، قینچیوں سے کاٹنے اور دیگوں میں اُبالنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

شداد بن اوسؓ نے تین چیزوں کے ساتھ موت کی تکلیف کا موازنہ کیا ہے کہ تین ایسی تکالیف ہیں، جو اگر کسی کو دی جائیں، تو یہ موت ان تکالیف سے بھی زیادہ سخت ترکیفیت رکھتی ہے۔

پہلی چیز ہے: نشر بالمناشير کہ آرے کے ذریعے سے زندہ آدمی کو سر سے لے کر پاؤں تک چیر کر دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے۔ یہ کتنی تکلیف دہ ہوگی؟ موت اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

گھر کی خواتین کو تجربہ ہے، جو کپڑے سلائی کرتی ہیں، سوئی کے اچانک لگنے سے بچنے کے لیے انگلی میں نوانک پہنتی ہیں۔ اگر اچانک سوئی انگلی یا ہاتھ کے کسی حصے کو لگ جائے، تو خاتون ایسی فریاد کرتی ہے، جیسے کوئی کلہاڑا اس کے سر پہ لگ گیا۔ یہ تو سوئی کی ایک نوک ہے، جس کے لگنے سے بدن کا خون تک بھی نہ نکلا ہو، لیکن فریاد ایسی نکالتی ہے کہ نہ جانے کیا تیر لگ گیا ہو۔ اسی انسان کو اگر آرے کے ذریعے چیر کر دو ٹکڑوں میں بانٹ دیا جائے، تو کیا حال ہوگا؟ آرے سے کاٹنے کا عمل اس طرح ہوتا ہے کہ آہستہ آہستہ رگڑے دے دے کر وہ چیز کو کاٹ دیتا ہے۔ کاٹتے کاٹتے آخر تک چیر دے گا۔ ہر بار رگڑنے سے نئی تکلیف کا احساس ہونے لگتا ہے، ہر رگڑائی الگ تکلیف ہے۔ اتنی بار رگڑائی دینے کے بعد کہیں جا کر وہ کٹ جاتا ہے، تو اس بندے کی تکلیف کا کیا عالم ہوگا اور کیا کربناک حالت ہوگی؟ انسان اندازہ بھی نہیں لگا سکتا۔ شداد بن اوسؓ کا مطلب یہی ہے کہ آرے سے چیرنے کا یہ عمل اتنا تکلیف دہ نہیں، جتنا کہ موت کی تکلیف ہے۔

دوسری کیفیت قرض بالمقاریض والی ہے کہ موت جس سے زیادہ سخت ہے، یعنی: قینچی کے ذریعے گوشت کو کاٹنا، جیسے خواتین اکٹھے بیٹھ کر کپڑے کی سلائی کا کام کرتی ہیں۔ ایک نے کہا: یہ کپڑا پکڑو! مجھے اسے کاٹنا ہے۔ دوسرے نے کپڑے کا دوسرا سرا پکڑ لیا، مگر دل میں ڈر رہی ہوتی ہے کہ کہیں اس کی قینچی اچانک میرے ہاتھ کو نہ کاٹ دے۔ قینچی جوں ہی قریب آ رہی ہوتی ہے، وہ اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ رہی ہوتی ہے، حالانکہ کیا ہوگا؟ زیادہ سے زیادہ قینچی چھوٹا سا گوشت کاٹ لے گی، موت تو واقع نہیں ہوگی، لیکن یہ تکلیف بھی ایسی ہے کہ وہ عورت اس کو برداشت نہیں کرتی۔ اب اگر کسی انسان کے پورے بدن کے گوشت کو قینچی کے ذریعے کاٹ کاٹ کر الگ کر دیا جائے: کان کو کاٹ دیا جائے، ہاتھ کے گوشت کو کاٹ دیا جائے، پاؤں کے گوشت کو کاٹ دیا جائے، ناک اور آنکھوں کو کاٹ دیا جائے، چہرے کے گوشت کو کاٹ دیا جائے، ہر عضو کے گوشت کو الگ الگ کاٹ دیا جائے، جس کی الگ الگ تکلیف اس کو محسوس ہو، تو ان تمام تکالیف کو وہ برداشت کرے، یہ آسان ہے موت کی تکلیف سے۔ موت ان تمام تکالیف کے مجموعے سے بھی زیادہ سخت ہے۔

تیسری تکلیف جس سے موت زیادہ تکلیف دہ ہے، وہ ہے غلي في القدور یعنی: دیگچی میں

ابالنا۔ دیگچی کو پانی بھر کر آگ کے اوپر رکھ دیا ہے، نیچے آگ کا بڑا الاؤ ہے، ڈھکن بند ہے۔ نیچے سے آگ اور اندر بھاپ، پانی شدت کے ساتھ ابل رہا ہے۔ اس ابلتی دیگچی میں کسی زندہ بندے کو ڈال دیا جائے، تو اسے کتنی تکلیف ہوگی؟ موت کی تکلیف اس سے بھی زیادہ ہے۔ شداد بن اوسؓ مزید فرماتے ہیں کہ:

ولو أن الميت نُشر فأَخبَر أهلَ الدنيا بألمِ الموت ما انتفَعوا بعيشٍ ولا التَذُّوا بنومٍ. ترجمہ: اور اگر مرنے والے کو دنیا والوں کی موت کی تکلیف کے بارے میں بتانے کا موقع دیا جائے، تو وہ نہ زندگی سے فائدہ اُٹھا پائیں گے اور نہ ہی نیند سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔

یعنی: اگر کوئی میت واپس آکر دنیا میں اپنے اہل و عیال کو خبر کر دے کہ موت کی تکلیف کس طرح ہے، تو یہ لوگ زندگی کے لطف ہی سے محروم ہو جائیں۔ نہ کھانے میں لذت، نہ آرام میں سہولت محسوس کریں گے، نہ غم سے کوئی کھانا کھا سکے گا، نہ رات کو پریشانی کی وجہ سے نیند آئے گی کہ موت اس طرح کی سختی اور پریشانی کی چیز ہے۔

سیدنا عمرؓ اور منافقین کی فہرست

صحابہ کرامؓ کے دور میں موت اور آخرت کی فکر کا کیا عالم تھا، اس کا اندازہ آپ اس سے لگائیے کہ اس دور کے مسلمانوں کی فکر اور غم موت ہی تھی کہ ایک دن ہمیں مرنا ہے۔ کوئی مجلس ہوتی، تو موت کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ حال احوال پوچھنا ہے، تو موت کے بارے میں پوچھنا ہے۔ کوئی فکر مندی تھی، تو موت کی تھی۔ دل و دماغ کے اوپر کوئی فکر و خیال سوار تھا، تو موت کا فکر و خیال تھا۔

حضرت عمرؓ موت کے بارے میں فکر مند ہو کر پوچھ رہے ہیں، جس کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ عمر في الجنة عمر جنتی ہے، لیکن اس خوشخبری اور گارنٹی کے باوجود سیدنا حذیفہ بن یمانؓ جو صاحب سر رسول اللہ کہلاتے ہیں، یعنی: رسول اللہ ﷺ کے رازدان۔ آپ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں منافقین کی فہرست حذیفہ بن یمانؓ کے حوالے کر کے انہیں بتایا تھا کہ فلاں فلاں بندے منافق ہیں، جو ہماری مساجد میں آکر ہمارے ساتھ نمازیں تو پڑھتے ہیں اور

مسلمانوں کے ساتھ بیٹھتے تو ہیں، مگر یہ مسلمان نہیں ہیں، منافق ہیں؛ لہٰذا جب یہ مرجائیں، تو میں ان کے جنازے میں شریک نہیں ہوں گا اور میں ان کا نام بھی لوگوں پر ظاہر نہیں کرتا، تم بھی کسی کو ہرگز نہ بتانا، تو جب تک رسول اللہ ﷺ دنیا میں موجود تھے، ان منافقین میں سے کوئی مرجاتا، تو آپ اس کے جنازے میں تشریف نہ لے جاتے۔ آپ کو دیکھ کر دوسرے صحابہ کرامؓ بھی نہیں جاتے تھے اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد سب کی نظریں حذیفہ بن یمانؓ پر لگی رہتی تھی کہ جس کے جنازے میں حذیفہؓ نہ جائیں، تو ہم بھی نہیں جائیں گے۔ جو اس شخص کے منافق ہونے کی علامت ہے کہ حذیفہؓ اس کے جنازے میں نہیں جا رہے۔

یہی حذیفہ بن یمانؓ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس آئے، تو حضرت عمرؓ نے ان سے عرض کیا کہ آپ مجھے صرف یہ بتا دیں کہ میرا نام منافقین کی اس فہرست میں موجود ہے یا نہیں۔ بس اتنا بتا دیں، باقی میں یہ نہیں پوچھتا کہ اس میں اور کون کون شامل ہے۔ حضرت حذیفہؓ اٹھ کر روانہ ہوگئے، تو حضرت عمرؓ ان کے پیچھے بھاگ کر گئے۔ دوڑے جا رہے ہیں کہ مجھے بتائیے! بعض روایات میں آتا ہے کہ دوڑتے ہوئے اپنی چادر زمین پر گھسیٹ رہے تھے۔ اس فکر میں یہ وارفتگی تھی کہ میرا نام لسٹ میں ہے یا نہیں۔ روایات میں آتا ہے:

وقد ناشده عمر أ أنا من المنافقين؟ فقال: لا ولا أزكي أحدا بعدك. ترجمہ: حضرت عمرؓ نے ان کو قسم دے کر پوچھا کہ میرا نام منافقوں کی فہرست میں ہے کہ نہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں، اور میں آپ کے بعد کسی کو بھی ایسا جواب دے کر پاکیزہ قرار نہیں دوں گا۔ (سیر اعلام النبلاء، ج:2، ص:360)

ان کی فکر یہی تھی کہ اگر فہرست میں میرا نام ہے، تو ابھی سے توبہ کر کے آخرت کی بھرپور تیاری کروں گا۔ اگر نہیں ہے، تو کم از کم تسلی تو مل جائے گی کہ ایمان سلامت ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی آخرت کی فکرمندی کا عالم تھا۔ ایسا شخص کہ جس کو جنت کی خوشخبری رسالت مآب ﷺ کی زبان سے مل چکی تھی۔

موت کی شدت: کعب بن احبارؓ کی زبانی

سیدنا عمرؓ کی یہی فکر مندی اور احساس تھا کہ ایک اور صحابی کعب بن احبارؓ سے موت کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔ کعب بن احبارؓ پہلے یہودی تھے، بعد میں مسلمان ہوئے۔ سیدنا عمرؓ نے ان سے کہا: اے کعب! ہمیں موت کے بارے میں کچھ بتائیے! توانہوں نے کہا:

هو كغصن كثير الشوك أدخل في جوف رجل فأخذت كل شوكة بعرق ثم جذبه رجل شديد الجذب فأخذ ما أخذ وأبقى ما أبقى. ترجمہ: وہ ایک کانٹے دار درخت کی طرح ہے، جس کی شاخ ایک شخص کے پیٹ میں داخل ہوگئی، تو ہر کانٹا ایک رگ میں پھنس گیا۔ پھر ایک مضبوط شخص نے اسے کھینچا، تو جو کچھ نکالنا تھا، نکال لیا اور جو کچھ باقی بچا وہ وہی رہ گیا۔

یہی کانٹے والی ٹہنی کسی بندے کے پیٹ میں داخل کی جائے اور وہ پیٹ کے اندر ہر چیز سے الجھ کر رہ جائے، پھیپھڑے کو پکڑ لے، جگر کو پکڑ لے، آنتوں کو پکڑ لے، گوشت کو پکڑ لے۔ الغرض! ہر ایک سے چپک جائے۔ پھر ایک طاقتور آدمی اس کانٹے دار لکڑی کو اس کے پیٹ سے باہر نکالنے کے لیے کھینچے، تو یہ لکڑی اس کے پیٹ سے آنتوں، جگر، پھیپھڑوں اور گوشت پوست سب کو کھینچ کھینچ کر باہر نکال دیتی ہے۔ یاد رہے! یہ سارا عمل ایک زندہ بندے کے ساتھ ہو رہا ہو، کوئی مردہ نہ ہو کہ اسے درد کا احساس اور پرواہ نہ ہو۔ یہی دردناک کیفیت موت کے وقت روح کے نکلنے کی ہوتی ہے۔ موت کی شدت ایسی سخت ہوگی۔

موت آٹے کی چکی میں پسنے کی طرح تکلیف دہ

ایک عجیب واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ سیدنا عمرو بن العاصؓ زندگی میں اکثر کہا کرتے تھے کہ مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے، جن کے موت کے وقت حواس درست ہوتے ہیں، مگر موت کی حقیقت بیان نہیں کرتے۔ لوگوں کو یہ بات یاد تھی، جب وہ خود اس منزل پر پہنچے، تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ مقولہ یاد دلایا۔ ایک روایت میں ہے کہ خود ان کے بیٹے نے سوال کیا تھا۔ عمرو بن العاصؓ نے ٹھنڈی سانس لی۔ جان من! انہوں نے جواب دیا:

أجد كأن السماوات انطبقن على الأرض وأنا بينهما وكأن نفسي تخرج على ثقب إبرة. ترجمہ: مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آسمان زمین پر آ گئے ہیں اور میں ان دونوں کے درمیان ہوں اور جیسے میری روح سوئی کے ناکے سے نکل رہی ہو۔ (طبقات ابن سعد، ج:4، ص:260)

یعنی: گویا آسمان اور زمین دونوں آپس میں ٹکرا گئے ہیں اور میں ان کے درمیان پس رہا ہوں آٹے کی چکی میں دانے کی طرح۔ جس طرح چکی گندم کے دانے کو رگڑ رگڑ کر اسے ریزہ ریزہ کر کے آٹا بنا دیتی ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ مجھے ایسا رگڑا دیا جا رہا ہے۔ اس سے ہم اندازہ لگائیں کہ موت کس طرح کی تکلیف اور غم کا نام ہے؟ کیسی پریشانی اور کیفیت ہے؟ کیسی شدت اور مشقت والی چیز ہے؟

مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کا 40 سالہ زمزمہ قرآنی

جو انسان بھی اس دنیا میں آیا ہے، اسے ایک دن ضرور مرنا ہے۔ عقل مند وہی ہے، جو موت کی تیاری کر لے۔ ابو یعلیٰ شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے فرمایا:

الكيس من دان نفسه وعمل لما بعد الموت والعاجز من اتبع نفسه هواها ثم تمنى على الله. ترجمہ: عقل مند وہ ہے، جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے اور عاجز وہ ہے، جو اپنے نفس کو خواہشوں پر لگا دے۔ پھر اللہ تعالیٰ سے تمنائیں کرے۔

اب رہ گیا یہ سوال کہ موت کی تیاری کیسے ہو گی؟ علماء کرام کی مجالس اور وعظ اور درس قرآن کی مجالس میں شرکت سے موت کی تیاری ہوتی ہے۔ آپ لوگوں کا یہ محلہ بڑا خوش قسمت رہا ہے کہ جہاں ہمارے محترم بزرگ حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ تقریباً 40 سال صبح فجر کو قرآن کریم کا درس دیا کرتے تھے۔ پورے محلہ اور شہر کے کئی حصوں تک ان کی مبارک آواز پہنچتی تھی۔ فجر کے وقت کئی لوگ بستروں میں آرام فرما رہے ہوتے تھے، مگر اس مرد قلندر کی آواز فضاؤں میں زمزمہ قرآنی کے ساتھ گونج رہی ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنی تمام تر نوجوانی آپ لوگوں پر خرچ کر دی، ساری طاقت و توانائی آپ پر صرف کر دی، جملہ علمی صلاحیتوں کو آپ لوگوں پر استعمال کیا۔ ان کا احسان پورے خاران پر ہے، پورے بلوچ بیلٹ پر بھی ہے، لیکن خاص کر آپ لوگوں کے اس محلہ پر سب

سے زیادہ ہے۔ جب تک زندہ ہو، ان کے احسانات کی بہار سے نہیں نکل سکتے۔ یہ مرد خدا کیسی ہستی تھی؟ اگر ہاتھ حرکت کرتا، تو قرآن کریم ہاتھ میں ہوتا۔ زبان اگر بول پڑتی، تو اللہ کا ذکر اور نام لیا جاتا۔ آنکھیں ہیں کہ قرآن و حدیث کے مطالعہ میں لگی ہوتی ہیں۔ کچھ سن رہے ہوتے ہیں، تو قرآن کی تلاوت سماعت فرما رہے ہوتے ہیں۔ اس طرح کی ہستیاں جب دنیا سے رخصت ہوتی ہیں، تو جانے کے بعد ہم غم زدہ ہو جاتے ہیں۔

اہل علم کی صحبت اور ان سے استفادہ کی ضرورت

ایسے علماء وہ ہستیاں ہیں کہ یہ جنت کے باغات ہیں۔ ہمیں اور آپ کو مال مویشی کی طرح ان باغات میں چرنا چاہیے۔ علماء کی علمی و اصلاحی مجالس میں سے کھانا چاہیے۔ ان کے ثمرات دینی سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ان علماء کے درختوں کے سائے میں بیٹھنا چاہیے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إذا مررتم بریاضِ الجنةِ فارتعوا قيل: يا رسولَ اللهِ! وما هي رياضُ الجنةِ؟ قال: حلَقُ الذكرِ وفي رواية: مجالس العلماء. ترجمہ: جب تم جنت کے سرسبز باغات سے گزرو، تو ان سے خوب چر لیا کرو۔ صحابہؓ نے پوچھا: یا رسول اللہ! جنت کے باغات کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ذکر اور علماء کی مجالس ہی جنت کے باغات ہیں۔ (سنن الترمذی، ح: 3510)

جس طرح جانور کہیں گھاس یا سبزہ دیکھ لیں، تو منہ ڈالتے ہیں۔ تم مسلمان بھی اسی طرح جنت کے باغات سے چر لیا کرو۔ صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یہ کس طرح کا باغ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ علماء کی مجلس جنت کے باغات ہیں، یعنی: علماء کی مجالس، قرآن کی مجلس، حدیث کی مجلس، وعظ و بیان کی مجلس، یہ جنت کے باغات ہیں، ان سے چر لیا کرو۔ ان سے نیکی کی باتیں سیکھ لو، کوئی نیک عمل سیکھ لو، ان سے تمہارے اندر نیکی کا شوق پیدا ہو، ان کی مجالس سے تمہارے اندر موت کی فکر پیدا ہو، ان کی محفل سے تمہیں آخرت کی فکر دامنگیر ہو جائے، ان کی مجالس سے نماز قضاء کرنے کی عادت چھوٹ جائے اور نماز کے پابند بن جاؤ، انہی کے مجالس سے بے پردگی چھوڑ کر باپردہ بن جاؤ، انہی کی مجالس کی

وجہ سے غیبت ترک کر کے ایک دوسرے کے خیر خواہ بن جاؤ، اسے کہتے ہیں: اس مجلس سے جڑنا اور کچھ حاصل کرنا۔ اہل محلہ میں سے خوش نصیب لوگ وہ تھے، جو ان 40 سالوں میں حضرتؒ کی قرآنی مجلس سے جڑتے رہے، اس سے بھرپور استفادہ کرتے رہے اور بدبخت وہی تھے کہ ادھر مسجد میں درس قرآن جاری تھا اور اُدھر ان کی نماز فجر قضا تھی اور کمبل میں محو آرام تھے۔

جس زمانے میں حضرتؒ یہاں درس دے رہے تھے۔ میں بھی جامعہ دارالعلوم خاران میں حضرت مولانا عبدالشکورؒ کے زیر سایہ مدرس تھا۔ میں جب برادرم قاری سعد اللہ سعدی صاحب کی مسجد میں درس قرآن سے فارغ ہو کر نکلتا، تو لاؤڈ سپیکر پر حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کی پرسوز آواز اتنی دوری کے باوجود وہاں بھی آرہی ہوتی تھی، مگر یہاں محلہ ہی کے اندر لوگ سو رہے ہوتے تھے۔ کیا لاؤڈ سپیکر کی آواز اتنی کمزور ہوتی ہے کہ کسی کو نیند سے نہ جگا سکے؟ ہرگز نہیں، لیکن محروم لوگوں کو نہ نماز نصیب ہوتی تھی، نہ حضرت کی مجلس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ملتی تھی۔ اب جب رخصت ہو کر چلے گئے، تو اب ارمان کرتے ہیں، فریاد کرتے ہیں، غمزدہ ہوتے ہیں۔

آپ اہل محلہ پر حضرت کا یہ بہت بڑا احسان رہا ہے۔ اب آپ لوگ ان کے اس ادارے اور مدرسہ تعلیم القرآن سے مخلص رہیں۔ اس کے ساتھ محبت کرنے والے بن جائیں، مدرسہ کے ساتھ تعاون کرنے والے بن جائیں، تعلق رکھنے والے بن جائیں۔ مدرسہ کے اساتذہ، طلبہ و طالبات اور منتظمین کے ساتھ ایک ایسا تعلق برقرار رہے کہ جس کی وجہ سے قبر میں حضرتؒ کی روح سرشار رہے کہ میرے اہل محلہ میرے ساتھ کتنی محبت رکھتے ہیں۔

دعا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو موت کی فکر کرنے کی توفیق عطاء فرمائے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے تیاری کرنے کی شب و روز ہمت اور توفیق نصیب فرمائے اور حضرت مولانا محمد فقیر اللہ صاحبؒ کے درجات بلند فرمائے۔ مدرسہ کی شکل میں لگائے ہوئے ان کے باغ کو، قرآن و حدیث کی تعلیم کے اس مرکز اور مسجد کو تاقیامت آباد و شاداب رکھے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے رکھے۔ آمین! وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین.

تعارفِ مصنف

نام و پیدائش

محمود خارانی بن مولانا خلیفہ سعد اللہ رحمہ اللہ بن زرین بن کریم داد بن بداد بن بندو بن ریکی۔ پیدائش: 10 دسمبر 1983ء بمقام سلام بیگ، یونین گڑانگ، سابق ضلع خاران حالا واشک بلوچستان۔

دینی و عصری تعلیم

قاعدہ و ناظرہ قرآن مدرسہ دارالہدیٰ سلام بیگ۔شعبہ کتب تا درجہ ثالثہ: جامعۃ العلوم الاسلامیہ دالبندین، (1998 تا 2002ء) درجہ رابعہ تا دورہ حدیث: جامعہ دارالعلوم کراچی (2003 تا 2007ء) گریجویشن: بلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ، (2014ء) ایم فل علوم اسلامیہ: AIOU، اسلام آباد (2021ء) پی ایچ ڈی اسکالر: FUUAST یونیورسٹی کراچی۔

تدریس

جامعۃ العلوم اسلامیہ دالبندین میں ایک سال 2008ء، جامعہ دارالعلوم خاران میں تین سال (2009 تا 2011) بطور لیکچرار اسلامیات: بلوچستان ریزیڈنشل کالج تربت میں (2011 تا دسمبر 2021ء)، بی آر سی خضدار میں اکتوبر 2023ء تک، حالا بی آر سی اوتھل میں۔

صحافت

زمانہ طالب علمی میں ماہنامہ الاعتدال کی ادارت کے ساتھ ساتھ حسبِ شوق مختلف اخبارات مثلا: روزنامہ اسلام و جنگ، ہفت روزہ ضرب مومن، القلم وغیرہ میں کالم نویسی، ماہنامہ البلاغ کراچی، وفاق المدارس ملتان، الشریعہ گجرانوالہ میں متعدد مضامین ومقالات کی اشاعت۔

تصنیف وتالیف

مطبوعہ تالیفات: جمعہ کا دن کیسے گزاریں/ دبستان آ گہی/ غیر منصرف کا بیان/ وظائف وعملیات مفتی اعظم پاکستان/ آخری علمی مجلس (حضرت مولانا عبدالشکور رحمہ اللہ کے ساتھ)/ فراقِ یوسف (حضرت مولانا محمد یوسف کبدانی کے آخری احوال)/شہید خدمت/ بلوچی تفسیر: ایک تحقیقی مطالعہ / تذکرۂ فقیر (حضرت مولانا محمد فقیر اللہ رحمہ اللہ)۔

غیر مطبوعہ: فتح البصیر شرحِ نحومیر/ آداب درس قرآن/ ماحولیاتی آلودگی اور نبوی تعلیمات/ سوانح مفتی اعظم/ محفلِ یوسف میں/ تاریخ مدارس خاران/ حسن یوسف/ وحدت امت/ فقہ حنفی کے خصائص/ نوادرات مفتی/ خطباتِ یوسفی جلد اول/ صدائے یوسف/ ذوقِ علم ومطالعہ/ نوادر النحو/ شرح ارشاد الصرف۔

عربی زبان میں: الاربعین من احادیث العلم / الثلاثیات من ینابیع الحکم / شم الوردہ فی فضل سورة البقرہ.

بلوچی میں: تفسیر فتح الغفار (از ابتدا تا سورہ مائدہ، دروس قرآن حضرت مولانا مفتی عبد الغفار صاحب)/ تفسیر پارہ عم بلوچی۔

زیر تکمیل: شہدائے علم/ مقالات خارانی/ تذکرہ علمائے رخشان/ شذرات خارانی/ حیات خطیب بلوچستان/ سوانح شکوری۔